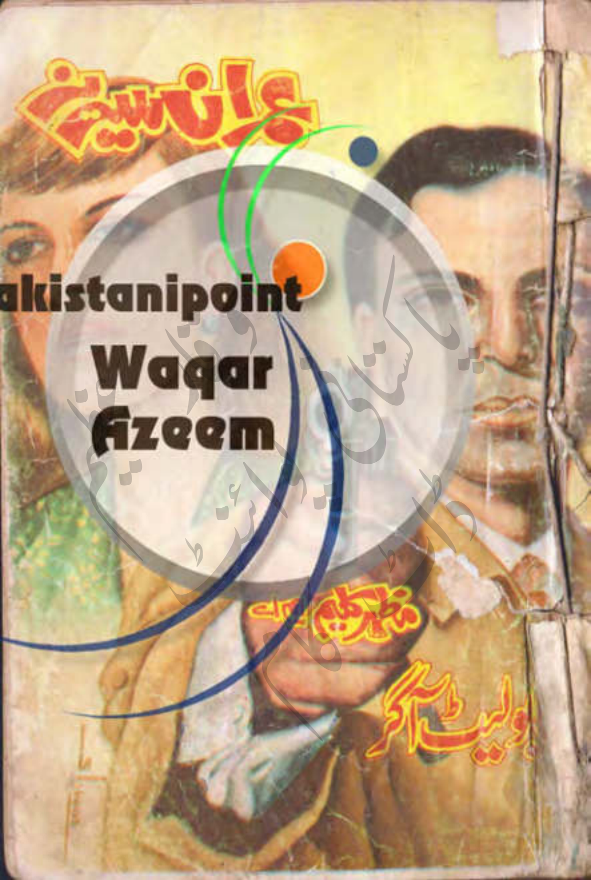

عمران سیریز
akistanipoint
Waqar
Azeem
مظہر کلیم ایم اے
ولیپٹ اسگر

عمران سیریز

شابولیٹ آگر

مظہر کلیم ایم اے

جمال پبلشرز بوہڑ گیٹ ملتان

احمق اعظم عمران اور اس کی ٹیم کا ناقابل فراموش کارنامہ



سابولیٹ آکر

مصنف ——— مظہر کلیم ایم اے
نگران ——— ایم اے ساجد
قیمت ——— نو روپے



جمال پبلشرز ——— بوہڑ گیٹ ملتان

عمران سیریز کے ہنگامہ خیز جاسوسی ناول

بلیک پوائنٹ (عمران سیریز) ۵/-	ڈیڈ لینڈ I (عمران سیریز) ۹/-	ریٹائرنگ روم (عمران سیریز) ۵/-
فلاتیٹ زیرو ۷/۵۰	″ ″ II ۹/-	میجر ڈریک ۱۰/۵۰
موت کی وادی ۷/۵۰	خوفناک تصادم ۱۰/۵۰	ڈاکٹر زلار I ۷/۵۰
مقدس راز ۱۰/۵۰	ٹرنٹولا I ۹/-	″ ″ II ۷/۵۰
موت کا تعاقب ۹/-	″ II ۹/-	شوگی پاپا I ۹/-
کیپٹن برناڈ ۹/-	آپریشن ٹوالیٹ I ۹/-	″ ″ II ۹/-
پراسرار فارمولا ۹/-	عمران اور موت II ۹/-	پاکا زونکا I ۹/-
انوکھا پلان ۹/-	گراس ونز I ۱۰/۵۰	″ ″ II ۹/-
مسٹر رم ۷/۵۰	شیطان کے چیلے ۱۰/۵۰	سابو بیت آگ I ۷/۵۰
سپرمین I ۷/۵۰	عمران اور دیوتا I ۱۰/۵۰	″ ″ II ۷/۵۰
آخری معرکہ II ۷/۵۰	دیوتا کی موت II ۱۰/۵۰	کرالنگ ڈیتھ ۱۵/-
ڈیتھ فیلو I ۹/-	شیڈو آف ڈیتھ ۱۲/۵۰	ایکسٹو کا راز ۱۵/-
ٹرپل مین II ۹/-	تصوراتی موت ۱۲/۵۰	کیپنی بلز ۱۵/-
…آف گنگز ۱۰/۵۰	زہریلا عمران I ۹/-	پی او ایکسپی I ۱۵/-
…بزنس ۱۰/۵۰	″ ″ II ۹/-	″ ″ II ۱۵/-
…ن کی جنت ۹/-	موت کا میدان ۱۲/-	چکر در چکر ۹/-
…ن عفریت ۹/-	آزادی کا فریب ۱۲/-	تنظیم کی موت ۷/۵۰

جمال پبلشرز — لوہر گیٹ ملتان ۲

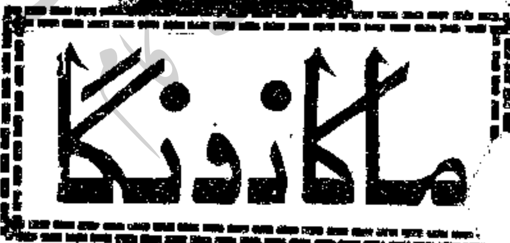
لافانی شاہکار

عمران سیریز

مصنف

مظہر کلیم ایم اے









سردیوں کے دن تھے اور دوپہر
کا وقت۔ اس وقت دارالحکومت کا
مین بازار خریداروں کے ہجوم سے
بھرا ہوا تھا ہزاروں آدمی شاپنگ
کرتے پھر رہے تھے خریداری اپنے
عروج پر تھی۔ ویسے تو روزانہ ہی اس
بازار میں بھیڑ رہتی تھی لیکن آج تو بھیڑ
مکمل عروج پر تھی۔ لوگ دھڑا دھڑ چیزیں
خرید رہے تھے اس کی ایک خاص وجہ
یہ تھی کہ اگلے دن ملک کا سب سے بڑا

تہوار تھا لوگ دکانوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور دکان داروں کی چاندی ہو رہی تھی۔ اچانک فضا میں مشین گنوں کی مخصوص آواز ریٹ ریٹ گونجی اور دوسرے ہی لمحے بے شمار دلدوز چیخیں فضا میں لہرائیں اور کئی مرد اور عورتیں سڑک پر تڑپتی نظر آنے لگیں۔ ریٹ ریٹ کی آواز آتی رہی اور چیخوں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی گئی۔ سارے بازار میں افراتفری مچ گئی۔ لوگ پناہ کے لئے اِدھر اُدھر دوڑنے لگے کئی آدمی اور بے شمار بچے اس بھاگ دوڑ میں لوگوں کے نیچے آ کر کچلے گئے فائرنگ کرنے والا پورا گروہ تھا۔ جو بازار کے مختلف کونوں میں کھڑا مشین گنوں کی گولیوں سے لوگوں کو بھون رہا تھا۔ یہ سارے کے سارے نوجوان تھے لوگ دکانوں میں گھسنے لگے لیکن پھر چند مشین گنوں کے دہانے دکانوں کی طرف مڑ گئے۔ اور پھر مختلف دکانوں میں لاشوں کے ڈھیر نظر آنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بازار لاشوں سے پٹ گیا جس میں اب بھی سینکڑوں آدمی پڑے تڑپتے نظر آ رہے تھے۔ بازار بالکل خالی ہو گیا تھا۔ لوگوں نے بھاگ کر گلیوں میں پناہ لی دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں یہ خطرناک قاتلوں کا ٹولہ پندرہ کی تعداد میں تھا جیسے ہی بازار خالی ہوا وہ بھی سب پاس کھڑی چار کاروں میں پھرتی سے بیٹھ گئے۔ اور پھر ہوا کی سی تیزی سے کاریں سڑک پر بھاگنے لگیں ابھی تک پولیس کی گاڑیاں سے

نہیں پہنچیں تھیں۔ شاہدان قاتلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ پوری گارد لے کر آنا چاہتے تھے بہر حال قاتلوں کے جانے کے تین منٹ بعد پولیس کی دیگنیں سائرن بجاتی ہوئی وہاں پہنچیں اور پھر بازار کا نظارہ دیکھ کر وہ بت کے بت بنے کھڑے رہے ہر طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوئی تھیں بہت سے لوگ ابھی تک تڑپ رہے تھے ان میں بوڑھے اور جوان آدمی بھی تھے خوبصورت عورتیں بھی اور معصوم بچے بھی۔ چند ہی لمحوں بعد بہت سی ایمبولنس کاریں بھی وہاں پہنچ گئیں اور پھر زخمی لوگوں کو ان میں سوار کر کے ہسپتال پہنچانے لگیں شہر کا کمشنر ڈپٹی کمشنر پولیس کا آئی جی۔ ڈی آئی جی اور ایس پی بھی وہاں پہنچ گئے ہر طرف حشر کا سماں تھا جدھر نظر جاتی تھی خون ہی خون لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ پولیس نے بازار کے گرد گھیرا ڈال لیا پولیس کو موجود دیکھ کر اب سہمے ہوئے اور خوف زدہ لوگ مختلف گھروں اور گلیوں سے نکل کر جائے وقوع کے ارد گرد اکٹھا ہونا شروع ہو گئے ہر شخص کا چہرہ موت کے خوف سے زرد تھا بہت سی کمزور طبیعت مرد اور عورتیں اتنی لاشیں اور اتنی مقدار میں خون دیکھ کر ہوش کھو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹی سی کار وہاں آ کر رکی اور سپرنٹنڈنٹ فیاض

اپنی پوری وردی جسم پر سجائے اس سے اترا اس کی گردن حسبِ معمول اکڑی ہوئی تھی۔ لیکن موقع پر بڑے بڑے آفیسران کو دیکھ کر اس کی اکڑی ہوئی گردن جھک گئی۔ اور جب اس نے لاشوں کے انبار اور زخمیوں کی چیخ و پکار سنی تو اس کا دل لرز اٹھا وہ قاتلوں کی سنگدلی دیکھ کر حیران رہ گیا جنہوں نے بغیر کسی مقصد کے سینکڑوں بے گناہوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا سپرنٹنڈنٹ فیاض تیز تیز قدم بھرتا ہوا آگے آیا تو اس کی نظر سر رحمان پر پڑی جو شاید ڈی آئی جی کے ساتھ آئے تھے وہ ایک لمحے کے لئے جھجکا لیکن سر رحمان اسے دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اسے بلایا۔ فیاض فوراً ان کے قریب پہنچ گیا۔

"دیکھ رہے ہو حالت۔"

سر رحمان کا لہجہ انتہائی تلخ تھا شاید ماحول کا اثر تھا۔

"یس سر،" فیاض نے ہلکے سے کہا۔ سر رحمان کے لہجے سے اُسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ سب کیا دھرا اسی کا ہو۔

"کیا یس سر۔ یہ کیس تمہیں نپٹانا ہو گا یہ لوگ پولیس کے بس کے معلوم نہیں ہوتے ہیں جلد از جلد مجرموں کی گرفتاری چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر سر،" فیاض نے دوبارہ دبے دبے لہجے میں کہا۔

"اگر مجرموں کو تم نے جلدی پکڑ لیا تو تمہیں ترقی مل جائے گی

اب سر رحمان کے لہجے میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا۔

اور سپرنٹنڈنٹ فیاض کا ذہن ترقی کا لفظ سنتے ہی ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ انٹیلی جنس کا چیف بن بیٹھا ہو۔ اور مجرم ہاتھ باندھے اور سر جھکائے اس کے سامنے کھڑے ہوں۔

لیکن اگر تم انہیں جلد از جلد گرفتار نہ کر سکے تو اپنے آپ کو معطل سمجھو۔

سر رحمان نے سپرنٹنڈنٹ فیاض کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور یہ فقرہ سنتے ہی فیاض کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہواؤں میں اڑتا اڑتا یکدم زمین پر آ گرا ہو۔ اس کے سارے خیالی محل ریت کی دیواروں کی طرح گر پڑے اور اس نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔

میں تمہیں مجرموں کو گرفتار کرنے کے لئے ایک ہفتہ دیتا ہوں ایک ہفتے بعد مجرم ہر صورت میں گرفتار ہو جانے چاہئیں سر رحمان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اور سپرنٹنڈنٹ فیاض ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ اسے اب سر رحمان پر بے انتہا غصہ آ گیا وہ سوچنے لگا کہ میرے پاس کوئی الہ دین کا چراغ ہے جو ادھر میں چراغ کو رگڑوں گا ادھر مجرم حاضر ہو جائیں گے اتنے سنگدل قاتل اور ایک ہفتہ اتنے میں وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسے بتایا گیا تھا کہ مجرموں کی کاریں کھڑی تھیں وہاں سے ممکن ہے کاروں کے ٹائروں کے نشانات کے پائے جانے کا امکان تھا۔

لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ کیوں کہ افراتفری میں نشانات ختم ہو چکے تھے۔ اور اب وہ مکمل اندھیرے میں تھا۔ پولیس کے چند آدمی جلے ہوئے کارتوس اکٹھے کر کے اس کے پاس لائے اس نے ان کارتوسوں کو شناخت کے لئے ماہرین کے پاس بھیجنے کا حکم دیا اب بازار سے لاشیں اور زخمی اٹھائے جا چکے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ عمران کی خوشامد کرے ورنہ ایک ہفتہ چھوڑ ایک سال میں بھی مجرم گرفتار نہیں ہو سکتے۔ نجانے عمران کیسے ان کا سراغ لگا لیتا ہے۔ عمران کے پاس وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ پچھلے دنوں وہ عمران سے ایک چھوٹے سے معاملے پر لڑائی کر چکا تھا لیکن اب مجبوری تھی کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اگر ایک ہفتہ ویسے ہی گذر گیا تو سر رحمان اپنی دھمکی پر یقیناً عمل کر دیں گے اور پھر وہ کہیں کا نہیں رہ جائے گا بازار کے خالی ہوتے ہی آفیسران بھی ایک ایک کر کے کاروں میں رخصت ہو گئے۔ اب فیاض بھی اپنے عملے کو ہدایات دے کر عمران کی طرف جانے کی سوچنے لگا۔





عمران آج صبح سے آوارہ گردی کے
موڈ میں تھا۔ اس کے جسم پر لباس بھی کچھ
کم مضحکہ خیز نہ تھا۔ سفید رنگ کی شلوار
اور دھاری دار سستی سی قمیض، اس
پر ایک پرانا سا کوٹ۔ پیروں میں چپل
شلوار میں وہ عجیب لگ رہا تھا۔ آج
صبح سے وہ پیدل سڑکوں پہ مارا مارا
پھر رہا تھا۔ چہرہ حماقتوں کی آماجگاہ
بنا ہوا تھا کوئی خاص کام نہ تھا بس
موڈ تھا اور عمران کا موڈ اللہ پناہ دے

اگر موڈ آجائے تو اندھے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگانے سے نہ ٹلے یہ تو صرف آوارہ گردی تھی چلتے چلتے اسے کھانے کا خیال آیا اور وہ شہر کے بہت بڑے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں داخلے کے لئے انگریزی لباس پہننا ضروری تھا لیکن وہ تو عمران تھا اسے ان پابندیوں سے کیا واسطہ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہوٹل کے مین گیٹ کے قریب پہنچ گیا گیٹ پر ایک باوردی چوکیدار گردن اکڑائے کھڑا تھا اور عمران کو دیکھ کر اس کی گردن اور اکڑ گئی جیسے وہ کسی ملک کا شہنشاہ ہو ایسے لوگ کسی غریب آدمی پر نظر پڑتے ہی یونہی اکڑ جایا کرتے ہیں لیکن عمران لاپرواہی سے چلتا ہوا اندر جانے لگا۔

اے کہاں جاتا ہے۔ دربان نے اسے اندر جانے سے روکتے ہوئے کہا۔

اندر جاتا ہے۔ تمہیں نظر نہیں آتا ہے۔ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

تم اندر نہیں جا سکتے۔ دربان نے مخصوص اکڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

کیوں کیا اندر صرف عورتیں ہی جا سکتی ہیں۔

اے نہیں اندر صرف صاحب لوگ جا سکتا ہے تم جیسا چھوٹا لوگ اندر نہیں جا سکتا۔

بھائی مجھے بھوک لگی ہے اور یہ ہوٹل ہے میں تو اندر جاؤں گا عمران نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

بھوک لگی ہے تو کسی بھٹیار خانے کا رخ کرو جہاں چار آنے کی چنے کی دال اور دو آنے کی روٹی مل جائے گی۔ یہاں تو سوڈیڑھ سو سے کم کا کھانا نہیں ملے گا دربان نے اسے شاید پردیسی سمجھتے ہوئے سمجھایا۔

میرے پاس ڈیڑھ سو ہیں میں تو یہیں کھانا کھاؤں گا۔

عمران نے دربان کو ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

ہرگز نہیں تم نے انگریزی لباس نہیں پہنا ہوا۔ دربان نے دوسرا پوائنٹ پیش کیا۔

میں نے تو ہی لباس پہنا ہوا ہے۔ اس نے پھر ایک بار اندر جانے کی کوشش کی۔ لیکن دربان نے اسے دھکا دے دیا۔

ہٹو راستے سے بھاگ جاؤ ورنہ کھال اتار دوں گا۔

ہوٹل میں آنے جانے والے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے جیسے وہ کسی اور دنیا کی مخلوق ہو۔

اچھا تمہاری مرضی۔ عمران نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

جاؤ بابا جاؤ کہیں اور کا رخ کرو یہاں تمہیں کوئی نہیں گھسنے دے گا۔

عمران کو ڈھیلا پڑتے دیکھ کر دربان کو بھی رحم آگیا۔

اتنے میں ایک لمبی سی کار ہوٹل کے گیٹ پر آرکی۔ اور دربان بھاگ کر اس کار کی طرف بڑھا عمران نے موقع غنیمت جانا اور چپکے سے

دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ وہ جیسے ہی اندر گھسا لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے جیسے وہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہو۔ ایک بیرہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"تم اندر کیوں آگئے ہو باہر نکلو۔ بیرہ نے اس کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

لیکن عمران اس سے بازو چھڑا کر آگے چل پڑا وہ یوں حیرت سے ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا جیسے ایسے ہوٹل میں پہلی بار آیا ہو بیرہ اس کی طرف بھاگا۔ جب عمران نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھی بھاگ پڑا۔ اب آگے آگے عمران تھا اور پیچھے پیچھے بیرہ لوگوں نے بڑی دلچسپی سے یہ تماشا دیکھنا شروع کر دیا پھر لوگ باقاعدہ ہنسنے لگے۔ عمران لگاتار میزوں کے درمیان بھاگتا پھر رہا تھا اب باقی بیرے بھی اس بھاگ دوڑ میں شریک ہو گئے وہ ہر قیمت پر عمران کو پکڑنا چاہتے تھے لیکن عمران تو چھلاوہ تھا گو شلوار کی وجہ سے اسے بھاگنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن پھر بھی بیرے اسے نہیں پکڑ سکے ہال میں ان کے بھاگنے سے افراتفری پھیل گئی۔ ہال میں قہقہے گونج رہے تھے بیروں کی سانس پھول گئی مینجر بھی شور سن کر کمرے سے باہر نکل آیا اور پھر ہال میں سب کو یوں بھاگتے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں ایک [illegible] لوگ اسے

کچھ سمجھ میں نہ آیا پھر صورتحال کی نزاکت سے اسے احساس ہو گیا اس نے آگے بڑھ کر بیروں کو بھاگنے سے روکا بیرے رک گئے۔ ان کے سانس پھول چکے تھے اور عمران آرام سے ایک طرف کھڑا دوبارہ ہال کو حیرت سے دیکھ رہا تھا جیسے اب تک کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ لوگ اس کی چستی دیکھ کر حیران رہ گئے' منیجر نے اسے اشارے سے بلایا۔

عمران آرام سے چلتا ہوا منیجر کی طرف گیا۔

"فرمایئے" عمران بالکل پرسکون تھا منیجر شائد عمران کو نہیں پہچانتا تھا۔

"مسٹر" آپ باہر چلے جائیں یہاں ایسے لباس میں آنا منع ہے منیجر نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

منیجر صاحب، ہوٹل کے نیچے والے تہہ خانے کا کیا حال ہے۔ عمران نے آہستہ سے کہا۔ اور منیجر کے چہرے پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

مگر مگر منیجر نے پریشان ہوتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

اگر مگر کچھ نہیں میں صرف یہاں کھانا کھاؤں گا اور چلا جاؤں گا ورنہ۔

عمران نے دھیرے سے کہا۔

تو پھر آپ میرے کمرے میں تشریف لے چلیں۔ منیجر کا لہجہ یکدم تبدیل ہو گیا۔

لوگ بھی حیرت سے مینجر کی طرف دیکھنے لگے۔

نہیں نہیں میں یہیں بیٹھوں گا۔ اور یہ کہہ کر عمران ایک خالی میز کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مینجر ایک لمحے کے لئے کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا۔ اور پھر جھٹکے سے واپس اپنے دفتر کی طرف مڑ گیا ایک بیرے نے آگے بڑھ کر مینجر سے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے ڈانٹ کر کہا" چلو تم سب اپنا کام کرو۔

اور بیرے اپنا سا منہ لے کر دوبارہ اپنے اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے اب سب لوگ حیرت سے عمران کی طرف دیکھ رہے تھے اور عمران سب سے لاپرواہ ہال میں ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا ایک بیرے نے اس کے پاس آ کر بڑے سخت لہجے میں کہا۔

کیا لاؤں۔

کچھ کھانے کے لئے لاؤ۔

عمران نے لاپرواہی سے کہا اور بیرہ واپس مڑ گیا۔

یہ شاید اس ہوٹل کی تاریخ میں پہلا موقع تھا جب کوئی شخص اس لباس میں ہوٹل میں بیٹھا ہو ادھر اندر دفتر میں مینجر بیٹھا بے بسی سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں لیکن وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ تہہ خانوں کی بھنک بھی پولیس کے

کانوں میں پڑ جاتی تو سارا ہوٹل سیل ہو سکتا تھا تہہ خانوں میں بنے ہوئے عشرت کدے اور غیر ملکی سمگل شدہ شراب کے ذخیرے ہوٹل کو بند بھی کروا سکتے تھے اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس شخص کو تہہ خانوں کے متعلق کیسے معلوم ہو گیا۔

بیرے نے عمران کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا اور عمران نے چھری کانٹے تو رکھ دیئے ایک طرف اور پھر ہاتھوں سے کھانے پر ٹوٹ پڑا لوگ حیرت سے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے چند کے چہروں پر نفرت کے آثار تھے آخر ان میں سے ایک سے نہ رہا گیا وہ ایک قوی الجثہ نوجوان تھا وہ اپنی میز سے اٹھا اور تیر کی طرح عمران کی طرف بڑھا۔

عمران نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا لیکن کوئی نوٹس نہ لیا۔

اے مسٹر" اس شخص نے عمران کے پاس آ کر کہا۔

کیا بات ہے؟ عمران نے بڑا سا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

تمہیں کس حکیم نے کہا ہے کہ تم اس ہوٹل میں آ کر کھانا کھاؤ۔

نوجوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

اور تمہیں کس چڑی مار حکیم نے کہا ہے کہ تم اعتراض کرو" عمران نے نوالہ چباتے ہوئے اسی لہجہ میں کہا۔

اس نوجوان سے برداشت نہ ہو سکا اس نے ایک زوردار تھپڑ

فیاض نے پریشان ہوتے ہوئے اسے علیحدہ کیا۔

مینجر بھی شاید فیاض سے اچھی طرح واقف تھا اس نے جب عمران کو فیاض سے یوں ملتے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ ان کی آپس میں دوستانہ ہی ہے ورنہ فیاض دکھ رکھاؤ کا بڑا قائل تھا۔

کیا چکر ہے" فیاض نے دوبارہ پوچھا۔

کھانا کھا رہا ہوں۔ عمران نے یوں جواب دیا جیسے زندگی میں پہلی بار کھانا کھا رہا ہو۔

صاحب! انہوں نے ایک تو اس لباس میں ہوٹل میں گھس کر ہمارے اصولوں کو توڑا دوسرا اس نوجوان کا فائر مار کر کچومر نکال دیا۔

مینجر نے فیاض کو صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں وہ نوجوان بھی ہوش میں آچکا تھا بیروں نے اس کے منہ میں پانی وغیرہ ڈالا تھا ہوش میں آتے ہی وہ عمران کی طرف لپکا لیکن بیروں نے اسے روک دیا۔

تم سے نپٹ لوں گا میں۔ اس نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

مسئلہ فیثا غورث ہوں سمجھنے کے لیے پرکار ساتھ لیتے آنا۔

عمران نے شوخی سے کہا۔

اور وہ نوجوان بڑبڑاتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

تم میرے ساتھ چلو۔ فیاض نے قدرے سخت لہجے میں عمران سے کہا۔

کیوں کیا تمہاری وھونس ہے۔ عمران نے موقعہ محل کی نزاکت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جواب دیا۔

میں کہتا ہوں میرے ساتھ چلو۔ فیاض کو اپنی وردی کا خیال آ گیا اس لئے اس نے پہلے سے بھی زیادہ سختی سے کہا۔

نہیں جاتا تمہارے باپ کی ریاست ہے۔ عمران بھی کسی لڑاکا بھٹیارن کی طرح اکڑ گیا اور فیاض کو لینے کے دینے پڑ گئے اس کی ساری پوزیشن خراب ہو چکی تھی لوگ اب فیاض کی حالت پر مسکرانے لگ گئے تھے۔

فیاض نے سوچا اگر مزید سختی کی تو معاملہ بگڑ جائے گا اور عمران سے کچھ بعید نہیں کیا کر دے اس لئے، نرمی کا برتاؤ اس وقت بہتر رہے گا اس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔

میرے ساتھ چلو ایک ضروری کام ہے۔

یوں کہو تو چلتا ہوں ضروری کام ہے تو میرے بل کے پیسے بھی ادا کرتے جاؤ، عمران نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے کہا۔

اور فیاض نے چپکے سے بٹوا نکالا اور بڑا نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور پھر عمران اور فیاض کا رُخ گیٹ کی طرف ہو گیا۔ فیاض آگے آگے جا رہا تھا جیسے عمران اس کے پیچھے یوں اکڑتا جا رہا تھا جیسے کوئی بل فائیٹر فاتح بن کر میدان سے باہر جا رہا ہو اور منیجر اور دوسرے لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے مخاطب ہو کر چپکے سے کہا۔

کوئی سی آئی ڈی کا بڑا آفیسر معلوم ہوتا ہے۔ اشارہ صاف عمران کی طرف تھا اور دوسرے نے بے بسی سے سر ہلا دیا کیونکہ اس کے علاوہ اور سوچا بھی کیا جا سکتا تھا۔

ٹھیک نکلا عین دوپہر
وہی مجرم



دوسری صبح اخباروں کے شائع ہوتے ہی تہلکہ برپا ہو گیا سارے ملک میں خصوصاً دارالحکومت میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی، اخباروں نے فائرنگ والے کیس کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا چند ستم ظریف اخباروں نے تو موقع پر پولیس اور دیگر آفیسران کے فوٹو بھی چھاپ دیئے تھے آخر میں تقریباً تمام اخبارات دارالحکومت کی پولیس پر خوب برسے

اور فیاض نے پوری ذمہ داری پولیس کی نااہلی اور سستی پر ڈال دی
پیر سکھ دیا۔ پورے ملک اسی واقعے کا چرچا تھا ہر شخص حکومت اور پولیس کو گالیاں
دے رہا تھا چند اخباروں نے تو باقاعدہ حکومت سے مطالبہ کر دیا
تھا کہ وہ ان کی جان و مال کا تحفظ کرے یہ حالات حکومت کے لئے
بھی دردِ سر بن گئے۔ ایک دوسرے پرے دبے ہونے لگی زیادہ
دباؤ پولیس کے محکمے پر پڑا لیکن وہ لوگ بھی اپنی اپنی جگہ مجبور تھے
انہیں کوئی علم غیب نہیں تھا کہ واقعہ ہونے سے پہلے مجرموں کے
ارادوں سے آگاہ ہو جائیں کیس کو اب باقاعدہ طور پر انٹیلیجنس کے حوالے
کر دیا گیا تھا۔ اور پھر حکومت نے خاص بیانات شائع کئے اور ریڈیو
سے اعلیٰ افسروں نے تقریریں نشر کیں جن میں مجرموں کو جلد از جلد گرفتار
کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن عوام ابھی نامطمئن تھے۔ تہوار بالکل بے
رنگ ثابت گیا۔ لوگ نادیدہ خوف کی وجہ سے گھروں سے بہت کم
باہر نکلے سارا دن بازار خالی رہے ہر شخص خوف زدہ تھا خصوصاً عورتیں
تو بالکل گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ سب ہی سوچ رہے تھے کہ نہ جانے
وہ سنگدل قاتل کس وقت کس جگہ وار کر دیں لوگوں کو یقین تھا کہ مجرموں
کی فائرنگ بلاوجہ نہیں ہو گی وہ دارالحکومت میں خوف و ہراس پھیلا کر اپنا
کوئی خاص مقصد پورا کرنا چاہتے ہوں گے اور یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ

مجرموں کا وہ مقصد کون سا ہے لوگوں کا خیال ٹھیک نکلا عین دوپہر کو کینٹ میں عوامی بنک کے پاس چار کاریں آکر رکیں اور وہی مجرم ہاتھوں میں مشین گنیں لے کر باہر نکل آئے اور ایک دفعہ پھر وہی پہلا واقعہ دہرانا شروع کر دیا۔ لیکن اس بار قتل و غارت پہلے کی نسبت کم رہی کیونکہ بازار تقریباً لوگوں سے خالی تھا لیکن پھر کئی قسمت کے مارے شاید کسی ضروری کام سے وہاں سے گذر رہے تھے۔
وہ مشین گنوں کی زد میں آ گئے بنک کا چوکیدار بھی ختم ہو چکا تھا ایک نوجوان نے پھرتی سے بنک کے تالے کو گولی مار کر توڑ دیا اور پھر سات آٹھ نوجوان بنک میں داخل ہو گئے باہر گولیاں فضا میں یوں چل رہی تھیں جیسے آتشبازی کا مظاہرہ ہو لیکن پولیس اس دفعہ ہوشیار تھی۔ پولیس کی گارد وہاں پہنچ گئی اور پھر زور دار مقابلہ شروع ہو گیا۔ پولیس کے سپاہیوں نے پناہ گاہیں ڈھونڈ لیں اور آپس میں گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا ایک منٹ بعد ہی بنک میں داخل ہونے والے نوجوان ہاتھوں میں گٹھڑیاں سنبھالے باہر نکلے بنک کے گیٹ کے پاس کھڑی ہوئی کاروں میں انہوں نے گٹھڑیاں پھینک دیں اور پھر سب آہستہ آہستہ ان میں بیٹھ گئے اور کاریں ایک بار پھر گولیوں کی بوچھاڑ میں دوڑنے لگیں مجرم کاروں کی کھڑکیوں سے مشین گنوں کے بے پناہ راؤنڈ چلا رہے تھے پولیس نے بھی

اپنی دیگنیں سنبھالیں اتنے میں ایک اور پولیس گارڈ وہاں پہنچ گئی اور مجرموں کا تعاقب ہونے لگا۔ مجرموں کی کاروں کے ٹائروں پر حفاظتی شیلڈ چڑھے ہوئے تھے اور تقریباً تمام کاریں بلٹ پروف معلوم ہوتی تھیں کیوں کہ پولیس کی گولیوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا پولیس کی چار گاڑیاں مجرموں کی بے پناہ فائرنگ سے ناکارہ ہو گئیں تعاقب بہرحال جاری تھا مجرموں کا رخ شہر سے باہر تھا اور ایک چوک پر پہنچ کر مجرموں کی دو گاڑیوں کا رخ علیحدہ علیحدہ سڑکوں کی طرف ہو گیا اور دو کاریں سیدھی چلی گئیں پولیس کی کاریں بھی چوک پر رک کر بٹ گئیں سیدھی جانے والی دونوں کاروں کا رخ ساحل سمندر کی طرف تھا فائرنگ بدستور جاری تھی مجرموں کی کاروں کی سپیڈ انتہائی تیز تھی۔ وہ ہوا کی سی تیزی کے ساتھ اڑی چلی جا رہی تھیں۔ پولیس کی ویگنیں اپنی پوری سپیڈ پر جانے کے باوجود ان سے کافی پیچھے رہ گئی تھیں پھر اچانک پولیس کی ایک ویگن کے ڈرائیور کا ہاتھ تیز رفتاری کی وجہ سے بہکا اور ویگن سڑک کے کنارے الٹ گئی اس کے پیچھے آنے والی ویگنیں اس کے پاس سے ہو کر گزر گئیں کافی دور آگے جا کر مختلف سمتوں میں جانے والی کاریں بھی دوبارہ آ کر مل گئیں اب پھر مجرموں کی کاروں کی تعداد چار تھی لیکن پولیس کی ویگنوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔

مجرموں کی کاریں سمندر کے پاس جا کر رک گئیں اور سمندر کے ساتھ

کھڑی ہوئی ایک بہت بڑی لانچ میں حرکت ہوئی۔ پولیس کی ویگنیں ابھی کافی دور تھیں مجرم انتہائی تیزی سے کاروں سے اترے ان میں سے کئی نے وہ تھیلے اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے وہ بھاگ کر لانچ میں سوار ہو گئے اور جب پولیس کی کاریں مجرموں تک پہنچیں لانچ مجرموں کو لے کر کھلے سمندر میں پہنچ چکی تھی۔ اور پولیس والے ساحل سمندر پر کھڑے ہاتھ ملتے رہ گئے انہیں بس وہ چاروں کاریں ہاتھ لگیں باقی مجرم ان کی پہنچ سے باہر ہو چکے تھے اور پھر وہ دیکھتے ہی رہ گئے اور لانچ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس مقابلے میں پولیس کا کافی سے زیادہ نقصان ہو گیا۔ تقریباً سات گاڑیاں ناکارہ ہو چکی تھیں چار اے ایس آئی اور دس سپاہی مجرموں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے اس کے علاوہ کئی زخمی تھے بنک کا جو نقصان ہوا وہ علیحدہ تھا مجرموں کی دیدہ دلیری کی انتہا تھی کہ وہ دن دیہاڑے پولیس کی نظروں میں دھول جھونک کر بنک لوٹ کر لے گئے۔





عمران اور فیاض جیسے ہی ہوٹل
سے باہر آئے فیاض کا موڈ ایکدم بگڑ
گیا وہ تیزی سے اپنی کار کی طرف جارہا
تھا جو پارکنگ شیڈ میں کھڑی تھی۔

تمہیں پبلک جگہوں پر ایسی بے ہودہ
حرکتیں کرتے شرم نہیں آتی۔

فیاض نے عمران کو مخاطب ہو کر کہا۔
فیاض غصے سے دانت پیس رہا تھا اس کا
بس نہیں چلتا تھا کہ ابھی اور اسی جگہ عمرا

دیکھے۔

م خیال شوم کا کیا تک ہے۔ بھلا ہوٹل میں کھانا کھانا قابل شرم

ہے۔ عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

ہوٹل میں کھانا کھانے کے متعلق کون کمبخت کہہ رہا ہے" فیاض نے

اپنی کار کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ہے ہوا ... کون کہہ رہا ہے۔ عمران نے بھی فیاض کے ساتھ

ئے کہا۔

کیا مطلب۔ فیاض کا چہرہ اور سرخ ہو گیا۔

مائی ڈیئر فیاض تم کار چلاؤ، تمہیں ڈر کا ہے کا ہے۔ عمران نے آخری لفظ

تقریباً گاتے ہوئے کہا۔

اور فیاض نے جھٹکے سے کار سٹارٹ کر دی۔

کہاں چلوں فیاض نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

جہاں تک جا سکو۔ عمران نے آنکھیں بند کر کے سیٹ پر پشت پر سر رکھتے

ہوئے۔

سیدھی طرح بتا دو ورنہ کار کسی درخت سے ٹکرا دوں گا فیاض کو

ایک بار پھر غصہ آ گیا۔

کوئی فکر نہیں ... اپنا بیمہ کرا رکھا ہے۔ پورے ا ... لاکھ روپے کا۔

عمران کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

اور فیاض ایک بار پھر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ایک اسے خیال آیا کہ کار روک کر عمران کو زبردستی کار سے نیچے اتار دے لیکن، پھر اسے سر رحمان کی دھمکی یاد آگئی جس کے تحت اسے ایک ہفتے کا وقت ملا تھا اور آج دوسرا دن تھا وہ عمران کی منت کرنے کے لئے مجبور تھا اور پھر وہ دل ہی دل میں سر رحمان اور عمران کو ... سنانے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑتا گیا کار ابھی سڑک پر بے مقصد دوڑ رہی تھی۔ عمران سیٹ پر سر رکھے بڑے اطمینان سے خراٹے لے رہا تھا جیسے ریڈیو سے کلاسیکل موسیقی کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔

فیاض نے سوچا غصہ کرنے سے اپنا ہی نقصان ہو گا اس لئے اسے اپنے مستقبل کو مد نظر رکھ کر دماغ ٹھنڈا کرنا پڑا پھر اس کی کار کا رخ عمران کے فلیٹ کی طرف ہو گیا تھوڑی دیر بعد گاڑی عمران کے فلیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

"چلو"، فیاض نے عمران کا کاندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

اور عمران فیاض کی شیریں آواز سن کر بڑے زور سے اچھلا

دماغ ٹھنڈا ہو گیا سوپر فیاض شکر ہے ورنہ۔ عمران ... ہوئے کہا

خاموش نے سوال کیا۔

...دم سے سویا ہوا تھا۔ عمران نے فقرہ مکمل کر دیا اور سوپر فیاض نے سر جھکا لیا۔

عمران اور فیاض اتر کر فلیٹ میں داخل ہو گئے۔

عمران فلیٹ میں داخل ہوتے ہی صوفے پر دھم سے گر پڑا اور فیاض اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

سلیمان۔ عمران نے آنکھیں بند کرتے ہوئے زور دار ہانک لگائی۔

فیاض اکتایا اکتایا سا بیٹھا تھا۔

ایک منٹ کے بعد سلیمان کی شکل دروازے میں نظر آئی۔ اس کا حلیہ ہی عجیب تھا۔ پیروں میں سلیم شاہی تلّہ دار جوتی جسم پر چوڑی دار انگرکھا سر پر دو پلی ٹوپی وہ پورا لکھنوی بانکا نظر آ رہا تھا

فیاض نے اسے دیکھ کر برا سا منہ بنایا لیکن عمران اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس کی جامہ زیبی سے بے حد متاثر ہو گیا

سلیمان۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں دوبارہ کہا۔

سلیمان لکھنوی کہیے سرکار۔ سلیمان نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔

فیاض سے نہ رہا گیا۔

یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔

حضور فیض گنجور آپ ایسا کہہ کر مشرقی تہذیب کی توہین کر رہے ہیں

سلیمان نے فیاض کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔

نامعقول، فیاض منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا اور سلیمان سنی ان سنی کر گیا۔

جناب سلیمان لکھنوی صاحب کیا آپ مہمان کی تواضع کافی سے کر سکتے ہیں۔

عمران نے کھڑے ہو کر سلیمان کو فرشی سلام کرتے ہوئے کہا۔

اور فیاض دونوں کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بچہ پہلی بار چڑیا گھر کی سیر کر رہا ہو۔

آپ کا حکم سر آنکھوں پر سرکار بندہ آپ کا خادم ہے۔

سلیمان نے بھی لکھنوی انداز میں کہا اور سر جھکا کر واپس مڑ گیا۔

اور عمران آنکھیں جھپکاتا ہوا دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

تم دونوں پاگل تو نہیں۔ فیاض نے سلیمان کے جانے کے بعد عمران سے کہا۔

پاگل۔ ہاں تمہاری نظروں میں ہم دونوں پاگل ہیں کیوں کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کی تہذیب کا احیا کر رہے ہیں اور تمہاری نظروں پر فرنگی عینک چڑھی ہوئی ہے تم جسمانی طور پر تو آزاد ہو لیکن ذہنی طور پر ابھی

دشمن فرنگی کے غلام چلے آرہے ہو تمہیں مشرقی تہذیب یقیناً پاگلوں کی تہذیب نظر آتی ہوگی سوپر خیالش اگر تم تعصب کا لبادہ اور فرنگی عینک اتار کر دیکھو اور ٹھنڈے دل سے غور کرو تو تم اس نتیجے پر پہنچو گے کہ یہ پہناوہ جو ہم کو فرنگی نے دیا ہے ہمارے معاشرے کے لئے کس قدر خطرناک ہے مغربی لباس قطعی ننگا ہے یہ دراصل زہر پر شکر چڑھائی گی ہے ہم میں غیرت کا اتنا فقدان ہو گیا ہے کہ ہم اپنی ماؤں بہنوں کے سامنے یہ ننگا لباس پہن کر قطعی شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم تہذیب یافتہ ہو گئے ہیں۔ انگریزوں نے غیرت، خودداری اور حیا آمیز خون ہماری رگوں سے نچوڑ لیا ہے۔ ہم بے غیرتی بے حیائی کو سینے سے لگائے خوشی پھرتے ہیں ذرا تصور کرو اگر ہمارے آباؤ اجداد جو غیرت اور حیا کے پتلے تھے اگر آج دوبارہ اس دنیا میں آ جائیں تو کیا وہ ہم جیسے لوگوں کو اپنی اولاد کہنے پر فخر کریں گے یا ہمارے منہ پر تھوکنا پسند کریں گے اور وہ پہناوہ جو حضرت عمرؓ نے فرنگی مزدوروں کے لئے پسند فرمایا تھا تاکہ وہ متواتر کام کرتے رہیں اور سست نہ ہوں۔ آج ہم اسے تہذیب کا اعلیٰ نشان بنائے اپنے گلے میں ڈالے پھر رہے ہیں ہم اپنے آپ کو آزاد کہلاتے ہیں۔ لیکن

اگر تم ذرا غور کرو تو کیا تم دعوے کر سکتے ہو کہ ہم آزاد ہیں یا غلام۔

بس بس۔ یار عمران تمہاری کن کن صفات کا اعتراف کیا جائے تم تو ایک شعلہ بیان مقرر اور ایک انقلاب برپا کر دینے والے واعظ بھی ہو کمال ہے تم چاہو تو اپنی تقریر سے معاشرے کی کایا پلٹ سکتے ہو۔ فیاض نے تعریفانہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے اس کا مطلب ہے تم میں ابھی کچھ مشرقی خون موجود ہے یہی کافی ہے۔ عمران نے دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں سلیمان کافی لے کر آ گیا اس نے پیالیاں میز پر رکھیں اور آداب بجا لا کر واپس چلا گیا۔

ہاں اب بتاؤ کہ کون سا مسئلہ تمہارے لئے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔

عمران نے نہایت شرافت اور سنجیدگی سے فیاض سے پوچھا اور فیاض پر ایک بار پھر حیرت کا دورہ پڑ گیا کہ عمران اور اتنی شرافت سے اصل موضوع پر گفتگو کر رہا ہے۔

اسے حیرت سے زیادہ خوشی ہو رہی تھی کہ اگر عمران اس طرح

لسنجیدہ رہا تو یقیناً یہ سنگدل قاتل گرفتار ہو جائیں گے اور پھر ترقی
کی خوبصورت دیوی اپنے دلآویز پر پھیلائے اسے اپنی آغوش میں
لے لے گی وہ خیالات کی وادی میں بھٹکنے لگا۔ لیکن پھر اس نے اپنے
اپنے آپ کو سنبھال لیا کہیں یہ موقع ضائع نہ ہوا ور عمران دوبارہ
اپنی حرکتوں پر اتر آئے۔

تمہیں معلوم تو ہوگا کہ آج کل قاتلوں نے شہر میں قیامت برپا کر
رکھی ہے سینکڑوں بے گناہ لوگوں ان کی اندھا دھند فائرنگ سے
ختم ہو گئے ہیں شہر میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔

فیاض نے تمہید طول کرتے ہوئے کہا۔

بس بس۔ کہانی ختم کرو مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟

عمران کا موڈ دوبارہ تبدیل ہوتا نظر آرہا تھا۔

سر رحمان نے مجھے الٹی میٹم دیا ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر قاتلوں
کو گرفتار کرلو ورنہ اپنے آپ کو معطل سمجھو۔

اچھا تو یہ بات ہے فکر نہ کرو پیارے قاتل ایک ہفتے میں تمہارے
سامنے ہوں گے بھلا ہم جیسے یار پھر کس کام آئیں گے تمہارے جیسے
دوستوں کے لیے میری جان تک حاضر ہے مگر۔

عمران جان بوجھ کر چپ ہوگیا۔

مگر کیا۔ فیاض کو ایک جھٹکا لگا۔

مگر یار تمہیں معلوم ہے کہ میں آج کل ترقی میں جا رہا ہوں اور خرچ بڑھ رہا ہے اور جب تک پیٹ میں روٹی نہ ہو انسان کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔

تم فکر نہ کرو۔ فیاض نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے کہا اور پرس سے پانچسو کے نوٹ نکال کر عمران کو دے دیئے۔

عمران نے ہاتھ آگے بڑھا کر نوٹ لے لیے۔

لیکن سوپر فیاض تمہیں معلوم ہے میں اسے واپس کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ ہاں اگر حالات ٹھیک ہو گئے میں تمہارا اگلا پچھلا سب حساب بے باق کر دوں گا۔

یہ کہتے ہوئے عمران کا چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا۔

تم بالکل بے فکر رہو۔ آخر دوست کب کام آتے ہیں۔ تمہیں جب بھی ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔

فیاض شائد عمران کی حالت سے بے حد متاثر معلوم ہوتا تھا۔

اچھا پھر وہ کام۔ فیاض دوبارہ اصل موضوع پر آنے لگا۔

تم فکر نہ کرو بس اتنا کام کرو کہ تمام بنکوں پر خفیہ پولیس کا پہرہ لگوا دو باقی میں جانوں اور میرا کام۔

اچھا میں چلوں۔ فیاض نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اوکے۔ عمران نے بھی اٹھ کر فیاض سے ہاتھ ملایا۔

اور فیاض سر پہ ہیٹ رکھ کر فلیٹ سے باہر چلا گیا۔

فیاض جیسے ہی باہر نکلا عمران نے سلیمان کو آواز دی۔

سلیمان لکھنوی صاحب۔

سلیمان فوراً ہی آ گیا۔

فرمائیے حضور۔

یہ لو پانچسو روپے اور باقی حساب پھر کریں گے۔

عمران نے ایک شان بے نیازی سے پانچ سو روپے سلیمان کو دیتے ہوئے کہا۔

سلیمان نے نوٹ لینے سے پہلے پانچ دفعہ فرشی سلام کیا اور پھر خالص لکھنوی انداز سے عمران کے ہاتھ سے نوٹ لے لیا۔

لیکن حضور۔ سلیمان نے نوٹ لینے کے بعد عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

حضور کے نیچے بڑی مشکل سے فیاض جیسے کنجوس آدمی سے پیسے نکلوائے اور تم اکڑ رہے ہو۔

حضور آپ کی ذرہ نوازی ہے مگر یہ تو کھلا بائی کے کوٹھے کا صرف

ایک دن کا حرج ہے۔

کملا بائی۔ وہ کون ہے ہے۔ عمران نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

حضور ذرا زبان کو سنبھالئے شائستہ لہجے میں گفتگو فرمائیے کملا بائی کے کوٹھے پر جائے بغیر کسی شخص کو لکھنوی کہلانے کا حق حاصل نہیں ہے

سلیمان نے توجیہہ پیش کی۔۔

اچھا چھا سر نہ کھاؤ اور ہاں اگر تم آئندہ کملا بائی کے کوٹھے پر گئے تو سر گنجا کر کے آہنی جوتیاں ماروں گا کہ ساری لکھنویت ناک کے راستے نکل جائے گی۔

مگر حضور مشرقی تہذیب سلیمان نے دوبارہ دلائل پیش کرنے شروع کئے

ابے تو سیدھا سادہ باورچی بنا رہ کیوں اپنے ساتھ میرا بھی بیڑہ غرق کرنے پر تلا ہوا ہے تجھے کسی حکیم نے کہا ہے کہ تو لکھنوی بن بھاڑ میں گئی ایسی مشرقی تہذیب جہاں کملا بائی کے کوٹھے پر جائے بغیر انسان تہذیب یافتہ نہ کہلائے اب جا اور ان پانچھ دولہوں کی خوشی میں ایک سپیشل چائے بنا کر لا اتنی دیر میں میں ذرا کپڑے تبدیل کر لوں۔

اور سلیمان سر جھکائے کمرے سے نکل گیا۔





صفدر کافی دنوں سے کچھ بور سا ہو
رہا تھا کیونکہ پچھلا کیس شوگی پاما کو
ختم ہوئے تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا
اور ابھی تک وہ فارغ تھے صفدر
کی طبیعت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی
تھی کہ وہ فارغ بیٹھنا جانتا ہی نہ
تھا اس کا کہنا تھا کہ اگر کام میں لگا
رہے تو طبیعت صحیح رہتی ہے ورنہ
جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو زنگ
لگ جاتا ہے آج کل وہ چونکہ فارغ

تھا۔ اس لیے اس پر بوریت کا شدید دورہ پڑا ہوا تھا۔ آج کل وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے طور پر کوئی کام کرے تاکہ بوریت کچھ کم ہو۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ عمران بھی آج کل فلیٹ پر کم ملتا تھا۔ نجانے وہ کیا کرتا پھر رہا ہے اس نے سوچا کیپٹن شکیل کو فون کیا جائے اور کوئی پروگرام بنایا جائے تاکہ نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ تو ہو۔

اس نے آگے بڑھ کر رسیور اٹھایا اور کیپٹن شکیل کے نمبر ڈائل کیے چند لمحے پر دوسری طرف سے رسیور اٹھایا گیا۔

ہیلو۔ صفدر بولا۔

ہیلو کون صاحب بول رہے ہیں۔ دوسری طرف سے کیپٹن شکیل کی بھاری آواز رسیور پر گونجی۔

میں صفدر ہوں کیپٹن۔

اوہو۔ صفدر صاحب کیا حال ہیں۔ آج کیسے فون کیا؟

کیپٹن شکیل کی زندگی سے بھرپور آواز گونجی۔

بس۔ بھائی۔ کافی عرصے سے بور ہو رہا ہوں۔ سوچا آپ کو فون کروں تاکہ کوئی پروگرام بنایا جائے اور بوریت ختم ہو۔

میرے فلیٹ پر آ جاؤ۔ پھر اکٹھے بیٹھ کر کوئی پروگرام بنائیں گے۔

کیپٹن شکیل نے تجویز پیش کی۔

اوکے۔ میں چند منٹ میں آرہا ہوں یہ کہہ کر صفدر نے رسیور رکھ دیا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا غسل کرنے کے بعد اس نے کپڑے پہنے اور فلیٹ کو تالا لگا کر نیچے اترا اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر کیپٹن شکیل کے فلیٹ کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیپٹن شکیل کے سامنے بیٹھا آرام سے سگرٹ پی رہا تھا۔ کیپٹن شکیل کا نوکر دونوں کے لئے چائے بنا کر لایا۔ اور چائے پینے کے لئے دونوں پروگرام کے متعلق سوچنے لگے۔

کیپٹن شکیل نے تجویز پیش کی کہ عمران کو ساتھ لے کر آج ہوٹلوں کا چکر لگایا جائے۔

صفدر اس پروگرام پر غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔

کیپٹن شکیل نے رسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

شکیل سپیکنگ۔

اٹ از جولیا۔ دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔

ہاؤ آر یو میڈم۔

اوکے پارٹنر۔

لیئے فون کیا۔

ایک کام تھا کیپٹن

فرمایئے فرمایئے ہم تو مدت سے کام کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔

ہم سے کیا مطلب جولیا نے پوچھا۔

صفدر صاحب بھی میرے پاس بیٹھے ہیں۔

اوہو۔ یہ تو اچھا ہوا۔ تمہارے بعد میں نے صفدر کو فون کرنا تھا

فرمایئے۔

ایکسٹو نے ابھی ابھی فون کیا ہے آپ کی اور صفدر کی ڈیوٹی آج لیفے کاسنو میں لگائی ہے۔ وہاں آپ کو ایک دبلے پتلے غیر ملکی کی نگرانی کرنی ہے جس نے پتلی کمانی کا سنہری چشمہ لگا رکھا ہوگا۔ اور پھر جولیا نے تفصیل سے غیر ملکی کا حلیہ بتانا شروع کر دیا۔

یہ ضروری ہے کہ وہ کیفے کاسنو میں مل جائے گا

ہاں پچھلے دس دنوں سے کیفے کاسنو اس کا مستقل اڈا بنا ہوا ہے

"او۔ کے"

اور ہاں اس کی حرکات و سکنات کی رپورٹ آپ ڈائریکٹ ایکسٹو کو دیں گے۔

اور صفدر کے ذمے کیا ڈیوٹی ہے۔

صفدر آپ کی نگرانی کرے گا۔

کیا مطلب کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔

ایکسٹو کا ہی حکم ہے آپ اس غیر ملکی کی نگرانی کریں اور صفدر آپ کی دیسے آپ دونوں میں شناسائی ہرگز ظاہر نہ ہو۔

میڈم اتنا میں بھی جانتا ہوں۔ کیپٹن شکیل نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

آئی۔ ایم سوری میں جلدی میں کہہ گئی آپ برا نہ منائیں۔

جولیا کی تاسف سے بھرپور لہجے میں آواز آئی۔

کوئی بات نہیں اور کوئی حکم۔

نہیں بس صفدر کو اس کی ڈیوٹی بتلا دینا۔

خدا حافظ۔

جولیا کی آواز آنی بند ہو گئی۔ اور کیپٹن شکیل نے رسیور رکھ دیا۔

کیا کام ملا؟

صفدر نے پوچھا۔

اور کیپٹن شکیل نے تفصیل سے ساری گفتگو صفدر کو بتلا دی۔

میرے خیال میں مجھے تمہاری نگرانی اس لئے سونپی گئی ہے کہ ان افراد چیک کیا جائے جو تم میں دلچسپی لیں گے۔

ہاں اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔
چلو کچھ نہ کچھ کام تو ملا بوریت سے تو بچے۔
ہاں یہ تو ٹھیک ہے کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔
او۔ کے تو پھر میں چلتا ہوں۔ ٹھیک چار بجے کیفے کاسنو پہنچ جاؤنگا
او کے۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔
اور صفدر کیپٹن شکیل سے ہاتھ ملا کر فلیٹ سے باہر چلا گیا





آبادی سے الگ تھلگ بنی ہوئی
وسیع و عریض کوٹھی پر مکمل سکوت چھایا ہوا
تھا شام کے تقریباً چار بجے تھے صرف
گیٹ پر ایک مسلح دربان نظر آ رہا تھا
جو آہستہ آہستہ گیٹ کے سامنے ٹہل
رہا تھا۔ کوٹھی کے سامنے سے گزرنے
والی سڑک ویران تھی ہر طرف ایک
پُراسرار سناٹا طاری تھا اچانک
سامنے کے موڑ سے ایک سبز رنگ کی
کار کوٹھی کی طرف تیزی سے آتی دکھائی

دی۔ چوکیدار اس کار کو دیکھ کر قدرے اٹنشن ہو گیا کار دربان کے پاس آ کر رک گئی اس میں چار خوش پوش آدمی سوار تھے چاروں کے [illegible] غیر ملکی تھے

انہوں نے چوکیدار کو ایک کارڈ پیش کیا جس پر ایک گھونگھے کی شکل بنی ہوئی تھی۔ چوکیدار نے تصویر کارڈ کو دیکھا۔ اور پھر ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

سابولیٹ۔

"آگر" ڈرائیو کرنے والے نے فوراً جواب دیا اور چوکیدار نے اسی لفظ کو سن کر انہیں سلام کیا بڑے ادب سے کارڈ واپس کیا اور مڑ کر پھاٹک کھول دیا۔

کار تیزی سے اندر چلی گئی۔ چوکیدار نے پھاٹک دوبارہ بند کر دیا اور حسبِ معمول ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور سبز کار آئی اور مندرجہ بالا گفتگو کے بعد وہ بھی پھاٹک کے اندر داخل ہو گئی اس طرح چار کاریں یکے بعد دیگرے کوٹھی میں داخل ہو گئیں۔ ہر کار میں چار چار آدمی سوار تھے۔

وہ سب کاروں سے اتر کر کوٹھی کے وسیع وعریض ہال میں داخل ہو گئے وہاں ایک میز کے گرد بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے جب سب کرسیاں

بھر گیئں۔ ابھی ایک کرسی جو میز کے دوسری طرف رکھی ہوئی تھی
نمایاں تھی۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھے انتظار کرتے رہے پھر دروازہ کھلا اور ایک
دراز قد اور قدرے فربہ جسم کا شخص اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سب اپنی
اپنی کرسیوں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اس نے ہاتھ کے اشارے سے
انہیں بیٹھنے کے لیے کہا اور خود بھی میز کی دوسری طرف رکھی ہوئی کرسی
پر بیٹھ گیا اس نے بیٹھتے ہی لفظ "سابولیٹ" دہرایا سب نے بیک آواز
دہرا کر کہا۔ اور وہ مطمئن ہو گیا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے
[illegible] شروع کی۔

ساتھیو۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو پچھلے کارناموں پر مبارک باد پیش
کرتا ہوں یہ کارنامے ہمارے مشن پر بڑا اچھا اثر ڈالیں گے آپ لوگوں
نے جس بے جگری اور بہادری سے دونوں آپریشنوں کو انجام دیا میں
اس پر بے حد خوش ہوں اور مجھے فخر ہے کہ میری ٹیم میں شامل
سب لوگ اپنے مشن کے لیے جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں
کریں گے میں نے آپ لوگوں کو یہاں اس لیے اکٹھا کیا ہے کہ میں آپ
کو ایک اور آپریشن کے لیے تفصیل بتا دوں یہ آپریشن ہمارے مشن
کے لیے انتہائی اہم ہے اور آپ نے اپنی جان پر کھیل کر اس آپریشن کو
کامیاب کرنا ہے اس آپریشن کی کامیابی کے بعد ہمارے مشن کی کامیابی

کے لئے راستہ ہموار ہو جائے گا یہ آپریشن جہاں اہم ہے وہاں مشکل ضرور ہے۔ مگر ناممکن نہیں کیونکہ اس دنیا میں ناممکن کا کوئی وجود نہیں۔ کیا میں امید کروں کہ آپ لوگ اس آپریشن کی کامیابی کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔

آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہمیں تفصیلات بتائیں۔ ہم سب وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہر قیمت پر اس آپریشن کو کامیاب بنائیں گے۔

ان میں سے ایک نے اٹھ کر کہا اور باقی سب نے بھی تائید میں سر ہلا دیا۔

ٹھیک ہے دوستو تو سنو۔

آج رات ٹھیک بارہ بجے آپ لوگوں نے وزارت خارجہ کی عمارت پر ریڈ کرنا ہے۔ اور اس کے ریکارڈ سیکشن میں گھس کر ایک سبز رنگ کی فائل اڑانی ہے یہ فائل مجھے ہر قیمت پر چاہیے اس کے لئے تمہیں جتنی بھی قتل و غارت کرنی پڑے تم کر سکتے ہو۔ یہ فائل ہر قیمت پر مجھ تک پہنچ جائے۔

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا جس پر وزارت خارجہ کی پوری عمارت کا نقشہ بنا ہوا تھا ریکارڈ روم کی بھی نشاندہی کی گئی تھی اس کی تمام حفاظتوں اور سیکورٹی گارڈوں کی تعداد کے متعلق بھی بتایا گیا تھا۔

کافی دیر تک وہ شخص ان کو پروگرام سے آگاہ کرتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا

آپ لوگوں کو کوئی سوال پوچھنا ہو تو پوچھ سکتے ہیں۔

"ہمیں کہاں پہنچانا ہے" ان میں سے ایک نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

یہیں اسی کوٹھی میں۔

اور کوئی سوال۔

مگر سب خاموش رہے اور اس شخص نے ہاتھ کے اشارے سے

میٹنگ برخاست کر دی۔





کیپٹن شکیل ٹھیک چار بجے کیفے کاسمو کے ہال میں داخل ہوا یہ کیفے دارالحکومت میں اپنی سجاوٹ اور اعلیٰ سروس کی وجہ سے بہت مشہور تھا اس کا ہال ہر وقت گاہکوں سے پُر رہتا تھا اور شام کو تو وہاں جگہ کا مل جانا خوش قسمتی کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے مستقل آنے والے لوگوں نے اپنی میزیں ریزرو کرا رکھی تھیں تاکہ وہ تکلیف سے بچے رہیں کیپٹن شکیل

نے چاکلیٹی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا آنکھوں پر سنہرے رنگ کا چشمہ تھا اور چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی وہ حفظ ماتقدم کے طور پر ہلکے سے میک اپ میں آیا تھا۔ ورنہ ایجنسی کی طرف سے اس قسم کی کوئی ہدایت اسے نہیں ملی تھی۔ اس میک اپ میں اس کی شخصیت کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔ پھر لباس میں برتی ہوئی خوش ذوقی نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے تھے وہ جیسے ہی ہال میں داخل ہوا ہال میں بیٹھے ہوئے تقریباً تمام افراد کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں جن میں بیشتر تعداد خواتین کی تھی۔ خواتین کی نظروں میں تو صرف پسندیدگی کے آثار تھے مگر چند مردوں کی نظروں میں اس کے متعلق رشک کے آثار بھی نمایاں تھے مگر کیپٹن شکیل ان سب باتوں سے بے نیاز ہو کر سیدھی ایک خالی میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس میز پر ریزرو کی تختی لگی ہوئی تھی لیکن کیپٹن شکیل نے اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اس کے میز پر بیٹھتے ہی ایک باوردی بیرا اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔

جناب یہ میز ریزرو ہے۔ بیرے نے مودبانہ طور پر جھکتے ہوئے کہا۔

کوئی بات نہیں جب وہ صاحب آئیں گے تو میں اٹھ جاؤں گا۔

کیپٹن شکیل نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

اور بیرا اس کے معقول جواب کے علاوہ اس کی وجاہت سے مرعوب ہو

کر خاموش ہو گیا۔

"چائے لاؤ۔" کیپٹن شکیل نے اسے آرڈر دیا اور بیرہ آداب بجا کر چلا گیا۔

اب کیپٹن شکیل نے اطمینان سے ہال میں نظریں دوڑانی شروع کر دیں۔ اس نے ہال میں بیٹھے ہوئے تقریباً ہر شخص کو اچھی طرح دیکھا لیکن جولیا کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق وہاں کوئی غیر ملکی نظر نہ آیا اس نے سوچا شاید مطلوبہ آدمی ابھی تک نہ آیا ہو۔ اتنے میں بیرے نے چائے کے برتن اس کی میز پر لا کر رکھ دیئے۔ کیپٹن شکیل نے چائے بنائی اور آہستہ آہستہ پینی شروع کر دی اس کی میز ہال میں ایسے رخ پر تھی جہاں سے سارے ہال کے علاوہ ہال میں داخلے کا گیٹ بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اطمینان سے بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ اسے گیٹ سے صفدر اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔ صفدر بغیر میک اپ کے تھا اور براؤن رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا کیپٹن شکیل اسے دیکھ کر آہستہ سے مسکرا دیا صفدر نے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ اور پھر کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا کیوں کہ کوئی میز خالی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کیفے کی انتظامیہ نے گاہکوں کی سہولت کے لئے کاؤنٹر کے پاس دو تین سٹول رکھے ہوئے تھے جہاں بیٹھ کر آرام سے چائے پی جا سکتی تھی۔ صفدر بھی ایک سٹول پر بیٹھ گیا۔ کیپٹن شکیل چائے پیتے پیتے اچانک چونکا۔ کیوں کہ جولیا کے بتلائے ہوئے حلیے کے عین [illegible] غیر ملکی ہال سے

میں داخل ہو رہا تھا کیپٹن شکیل پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا کہ وہ غیر ملکی پلاسٹک میک اپ میں تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی [illegible] ہو نظر آتا ہے اور پھر اسے معلوم تھا کہ ایکسٹو چھوٹے چھوٹے کاموں میں دخل اندازی نہیں کیا کرتا۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی لمبا چکر ہے اچانک وہ ایک بار پھر چونک پڑا جب اس نے غیر ملکی کو اپنی طرف آتے دیکھا لیکن وہ اطمینان سے بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتا رہا وہ غیر ملکی اس کی میز کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک نظر میز پر پڑے ہوئے ریزرو کارڈ پر ڈالی۔ اور پھر کیپٹن شکیل کو دیکھا۔ کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ دن اتفاق سے اسی غیر ملکی کی ریزرو کردہ میز پر آن بیٹھا ہے۔

معاف کیجئے کیا یہ آپ کے لیے ریزرو ہے۔ کیپٹن شکیل نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

جی ہاں آپ کو کوئی اعتراض ہے۔ غیر ملکی نے چڑچڑے لہجے میں جواب دیا۔

کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ یہ غیر ملکی کچھ چڑچڑے مزاج کا مالک ہے صورت سے وہ ایک فلاسفر نظر آتا تھا اس کے سر پر پھیلا ہوا گنج بتاتا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی غور و فکر کا عادی ہے۔

معاف کیجئے۔ چونکہ ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی اس لیے میں یہاں بیٹھ گیا۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو میں اٹھ جاتا ہوں۔ کیپٹن شکیل نے انتہائی

خلیقانہ لہجے میں کہا۔

اس غیر ملکی نے کیپٹن شکیل کو غور سے دیکھا اور پھر بولا۔

خیر آپ چائے پی رہے ہیں۔ اس لئے میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ جب تک چائے نہ پی لیں یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔

تو پھر آپ تشریف رکھئے۔ کیپٹن شکیل نے کرسی کھینچ کر دیتے ہوئے کہا۔ اور وہ غیر ملکی اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرا نام مسعود شاہد ہے۔ کیپٹن شکیل نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

مجھے ڈاکٹر آڈگر کہتے ہیں۔ اس غیر ملکی نے بھی جواباً اپنا تعارف کرایا۔

کیپٹن شکیل نے ایک نظر اس ریزرویشن کارڈ پر ڈالی تو اس پر بھی ڈاکٹر آڈگر کا نام لکھا نظر آیا۔ اتنے میں بیرے نے آکر ریزرویشن کارڈ میز سے اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔

آپ کے لئے کیا منگواؤں۔ کیپٹن شکیل نے اخلاقاً پوچھا۔

آپ اپنی چائے پیجئے اور چلتے پھرتے نظر آئیے مجھ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے۔

ڈاکٹر آڈگر نے روکھا سا جواب دیا اور کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں ناگواری کے اثرات نظر آنے لگے وہ خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہا لیکن اس نے چائے پینے کی رفتار اور بھی کم کر دی۔

ڈاکٹر اڈگر نے بیرے کو ایک پیگ وہسکی لانے کا آرڈر دیا اور بیرہ آرڈر کی تعمیل کرنے کے لئے واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر اڈگر نے ہال میں چاروں طرف نظریں دوڑانی شروع کر دیں وہ کچھ اکتایا اکتایا سا محسوس ہو رہا تھا۔

کیپٹن شکیل نے سوچا کہ نہ جانے ایجلوٹ اس کے متعلق کون سی تفصیلات چاہتا ہے اسے اچھی طرح احساس ہو گیا کہ اس غیر ملکی میں خوش اخلاق جیسا مادہ اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا۔ اور اس سے کوئی بعید نہیں تھا کہ کیپٹن شکیل کو چائے پینے کے بعد اٹھنے پر مجبور کر دیتا اس طرح اس کا کام بہت مشکل ہو جاتا ہال میں کوئی اور میز خالی نہ تھی اس کے ذہن میں وہاں بیٹھے رہنے کی ایک ترکیب آگئی۔ اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اب وہ مطمئن تھا کہ وہ غیر ملکی اسے وہاں سے نہیں اٹھا سکتا چائے کی پیالی تقریباً ختم ہونے والی تھی۔ اتنے میں بیرے نے ڈاکٹر کے سامنے وہسکی کا پیگ لا کر رکھ دیا۔

کیپٹن شکیل نے اسے ایک چائے اور لانے کے لئے کہا۔

دوسری چائے کا آرڈر سن کر ڈاکٹر چونک پڑا اس نے غصے بھری نگاہوں سے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا اور کہا۔

اس کا کیا مطلب ہے

کس کا جناب، کیپٹن شکیل نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

آپ دوسری چائے کیوں منگوا رہے ہیں۔

ڈاکٹر کی آواز میں غصہ نمایاں تھا۔

آپ کو کوئی اعتراض ہے۔

کیپٹن شکیل نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ دوسری چائے نہیں منگوا سکتے۔ اگر آپ نے پینی ہے تو کہیں اور جا کر پیئں۔

محترم آپ نے خود مجھے اس وقت تک بیٹھنے کی اجازت دی ہے جب تک میں چائے پیتا رہوں اب یہ میری مرضی کہ میں ایک چائے پیوں یا دس چائے۔

کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

آپ میری اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں آپ کو میز خالی کرنا پڑے گی ورنہ میں منیجر کو بلاتا ہوں۔ ڈاکٹر اب پورے غصے میں تھا

جناب آپ وعدہ کر چکے ہیں اس لیے چپکے سے بیٹھے رہیں ورنہ اگر میں چاہوں تو ساری عمر یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔ دیکھتا ہوں منیجر میرا کیا بگاڑے گا۔

کیپٹن شکیل کو بھی غصہ آگیا۔

اتنے میں بیرہ چائے لے کر پہنچ گیا۔

ڈاکٹر کیپٹن شکیل کا جواب سن کر چراغ پا ہو گیا۔ اس نے غصے سے ہاتھ تے ہوئے بیرے سے مینجر کو بلانے کے لئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور چپکے سے چائے بنانے لگ گیا۔

بیرہ ایک لمحے کے لئے حیرت سے کھڑا ڈاکٹر کو دیکھتا رہا۔

"جاؤ" ڈاکٹر دھاڑا اور بیرہ جلدی سے واپس چلا گیا۔

کیپٹن شکیل چائے بنا کر اطمینان سے پینے لگا۔

چند منٹ بعد مینجر بیرے کے ساتھ تیزی سے ادھر آتا نظر آیا۔ ڈاکٹر کے قریب پہنچ کر وہ تھوڑا جھکا اور بولا:

فرمائیے۔

ان صاحب کو میری میز سے اٹھوائیے میں اس میز پر کسی اور کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا۔

ڈاکٹر نے زور زور سے آواز میں چیخ کر کہا اس کی آواز سن کر ادر گرد بیٹھنے والے افراد بھی اس بات میں دلچسپی لینے لگے۔

مینجر نے بڑے مودبانہ لہجے میں کیپٹن شکیل کو مخاطب کیا۔

جناب یہ میز ان صاحب کے نام ریزروڈ ہے اس لیے انہیں حق ہے کہ وہ یہاں کسی کو بیٹھنے دیں یا نہیں۔

کیپٹن شکیل نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے رومال سے منہ پونچھا اور پھر منیجر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

میں تسلیم کرتا ہوں منیجر صاحب کہ یہ میز ڈاکٹر صاحب کے نام ریزرو ہے اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ اس میز پہ کسی کو بیٹھنے دیں یا نہیں۔ لیکن یہاں ایک اور مسئلہ موجود ہے ان کے آنے سے پہلے میں اس میز پر آ بیٹھا تھا کیوں کہ ہال میں کوئی اور میز خالی نہیں تھی بیرے نے مجھے ریزرویشن کی اطلاع دی لیکن میں نے اسے کہا کہ ان صاحب کے بعد میں اٹھ جاؤں گا۔ جب یہ صاحب آئے تو میں چائے پی رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اس وقت تک بیٹھنے کی اجازت دی جب تک میں چائے پی نہ لوں چنانچہ میں چائے پینے تک یہاں بیٹھ گیا۔ اب میں نے دوسری چائے طلب کر لی ہے ان کی اجازت ہے کہ میں جب تک چائے پیتا رہوں گا اور بیٹھا رہوں اس لیے اب میری مرضی کہ میں ایک چائے پیئوں یا دس ان کو مجھے روکنے کا کوئی حق نہیں۔

کیپٹن شکیل نے تفصیل سے ساری بات منیجر کو بتا دی۔

اب منیجر بھی کشمکش و پنج میں پڑ گیا کیوں کہ یہاں تو معاملہ ہی اور بن گیا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ اب وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اس نے بے بسی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

ان صاحب کو میز سے ہر حالت میں اٹھنا پڑے گا۔ میں اس سلسلے میں کچھ اور نہیں سننا چاہتا۔

ڈاکٹر دھاڑا۔

لیکن کیپٹن شکیل اطمینان سے چائے پیتا رہا۔

لوگ اب اس دلچسپ معاملے میں بھرپور دلچسپی لینے لگے چند منچلے نوجوان تو ان کی میز کے گرد بھی آکر کھڑے ہو گئے۔

صاحب آپ ہی مان جائیے میں آپ کے بیٹھنے کا کوئی اور انتظام کر دیتا ہوں منیجر نے آخر ایک تجویز پیش کی۔

ہاں اس صورت میں میں اس میز کو خالی کر دوں گا اگر آپ میرے بیٹھنے کا کوئی اور انتظام کر دیں اور وہ بھی ہال میں ورنہ میں ساری رات یہاں بیٹھا چائے پیتا رہوں گا۔ اور دیکھوں گا کہ مجھے یہاں سے کون اٹھاتا ہے
کیپٹن شکیل نے منیجر کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

بہتر ہے۔ منیجر نے کہا اور بیرے سے مڑ کر ہال کے ایک کونے میں سپیشل میز لگانے کو کہا چند ہی منٹ بعد ہال کے کونے میں میز لگا دی گئی اور کیپٹن شکیل وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ کے ساتھ میرا اچھا وقت گذرا۔

یہ کہہ کر وہ اس سپیشل میز کی طرف چلا گیا۔

اور ڈاکٹر اسے خون آمیز نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

کیپٹن شکیل وہاں سے اٹھ کر دوسری میز پہ جا کر بیٹھ گیا اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ اب کیا کرے غیر ملکی کے نام کا تو اسے پتہ چل گیا لیکن اس کے متعلق دوسری تفصیلات کے لیے اس کا پیچھا کرنا پڑے گا اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ڈاکٹر وہاں سے اٹھے چنانچہ وہ اطمینان سے وہاں بیٹھا رہا۔ اسے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی ایک اور غیر ملکی اسے ڈاکٹر کی میز کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ اور پھر وہ اس غیر ملکی کی میز پہ بیٹھ گیا اس کے لیے بیرہ وہسکی کا ایک پیگ لایا اور انہوں نے آہستہ آہستہ باتیں کرنا شروع کر دیں کیپٹن شکیل چونکہ وہاں سے کافی دور بیٹھا تھا اس لیے ان کی باتیں نہ سن سکا جس کا اسے بے حد افسوس ہوا اور اس معاملے میں وہ بے بس تھا اب اس کی سمجھ میں ڈاکٹر کا رویہ آیا۔ کہ ڈاکٹر اسے میز سے اٹھوانے پر کیوں مصر تھا۔ اس نے سوچا کہ کسی طرح اس کی باتیں سننی چاہئیں چنانچہ وہ کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈاکٹر کی میز کے قریب سے گزرا۔ میز کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اس نے اپنے کان کھڑے کئے اس کے کان میں صرف ایک لفظ پڑا جو اس کی سمجھ میں بالکل نہ آیا وہ لفظ "سابولیٹ،" تھا وہ ان کے پاس سے گزرتا چلا گیا اور سیدھا باتھ روم

اسی طرف بڑھ گیا۔ ٹاکر اسے میز کے قریب سے گزرتا دیکھ کر چپ ہو گیا۔
جب کیپٹن شکیل باقاعدہ میز کی طرف مڑ گیا تو اس نے دوبارہ کاندھے
جھٹک کر باتیں شروع کر دیں۔ کیپٹن شکیل چند لمحے بعد واپس آیا لیکن اس
وقت دونوں چپ ہو رہے اس لئے وہ میز پر آ کر بیٹھ گیا اب وہ اس وقت کا
انتظار کرنے لگا جب وہ اٹھ کر جائے۔



رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے تھے سردی اپنے پورے عروج پر تھی ماحول پر سکوت چھایا ہوا تھا وزا[illegible]رجہ کی بلند و بالا اور وسیع و عریض [illegible] خاموشی میں ڈوبی کھڑی تھی کبھی پہرے داروں کے چلنے کی آواز سکوت میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کر دیتی تھیں۔ وزارت خارجہ کی حفاظت کا انتظام ملٹری کے سپرد تھا کیوں کہ اس عمارت میں ملک کے کئی اہم ترین خفیہ راز تھے جن کا افشا ہو جانا ملک کے لئے

ایک بھیانک اور خطرناک صورتحال پیدا کر سکتا تھا ملٹری کے سپاہی تمام رات عمارت کے چاروں طرف مشین گنوں سے مسلح ہو کر پہرہ دے رہے تھے ۔ افرادی حفاظت کے علاوہ ریکارڈ روم کو جدید ترین سائنسی آلات سے بھی مزین کیا گیا تھا۔ چنانچہ ان آلات اور افرادی حفاظت کی وجہ سے یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ متعلقہ حکام کی اجازت کے بغیر ریکارڈ روم میں کوئی چڑیا تک نہیں گھس سکتی تھی آج رات بھی حسب معمول ملٹری کے سپاہی عمارت کے اندر اور ارد گرد پہرہ دے رہے تھے ۔

عمارت سے تھوڑی دور ایک چوراہا تھا۔

چوراہے کے نزدیک ایک تھوڑی سی جگہ خالی پڑی تھی۔ جہاں حکومت کا کوئی دفتر بنانے کا ارادہ تھا۔ یہ جگہ ایسے رخ پر واقع تھی کہ جہاں پر اگر کوئی کار وغیرہ روکی جائے تو وزارت خارجہ کی عمارت پر گشت کرتے ہوئے سپاہیوں کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ اچانک اندھیرے کی دیوار کو چیرتی ہوئی چار سبز رنگ کی کاریں اس خالی جگہ پر آ کر رک گئیں اس کی ہیڈ لائٹس بند تھیں ۔ ان کاروں میں یقیناً کوئی اعلیٰ اور نفیس قسم کے سائیلنسر فٹ تھے جس وجہ سے ان کے چلنے سے ذرا برابر بھی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی چاروں کاریں جیسے ہی وہاں آ کر رکیں ہر کار میں سے چار چار آدمی اترنے شروع ہو گئے۔ ان سب نے سیاہ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے منہ پر بھی

سیاہ نقاب لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے وہ تاریکی کا ہی ایک جزو معلوم ہو رہے تھے انہوں نے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی نالیوں والے بے ڈھنگے سے ہتھیار سنبھالے ہوئے تھے وہ ایک ایک کر کے وزارت خارجہ کی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے جانے والے صرف بارہ آدمی تھے۔ چار آدمی وہیں کاروں کے پاس رک گئے تھے۔ وزارت خارجہ کی عمارت سے چند گز دور وہ سارے رک گئے پھر چار آدمی عمارت کے سامنے کی طرف مڑ گئے اور باقی آدمی عمارت کی پچھلی جانب چلے گئے وہ شاید پورا انتظام اور پروگرام بنا کر آئے تھے۔ عمارت کے سامنے ایک بڑی بلڈنگ کے برآمدے میں چلے گئے اور وہاں انہوں نے ستونوں کی آڑ لے لی۔ وہ ہتھیار ہاتھوں میں تھامے خاموش کھڑے تھے۔ باقی آدمی عمارت کی پچھلی طرف پہنچ گئے ان میں سے چار آدمی عمارت سے کچھ دور ایک درخت کے پاس جا کر رک گئے اور بقیہ چار آدمی عمارت کی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ ہر طرف مکمل سکوت چھایا ہوا تھا عمارت کی دیوار کے پاس کھڑے ہوئے ایک آدمی نے جیب سے ایک چپٹا سا بکس نکالا اور اس میں سے ایک تار کھینچی اور اس تار کو کنکریٹ سے بنی ہوئی مرلی دیوار کے ساتھ لگا دیا ایک ہلکا سا شعلہ لپکا دیوار میں بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا تھا اس تار کے لگنے سے اس کا فیوز اڑ گیا کیوں کہ دوبارہ وہ تار دیوار سے لگانے سے کچھ نہ ہوا اب اس شخص

نے بکس سے دوسری تار نکالی اور پہلی تار کے سرے سے دوسری تار کا سرا جوڑ دیا اور پھر انہیں ہاتھ سے پکڑ کر دیوار کے ساتھ لگا دیا اس نے بکس کے اوپر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے بٹن کو دبایا بکس سے ہلکی سی زوں زوں کی آواز آنے لگی۔ اور کنکریٹ کا دیوار کا وہ حصّہ جہاں وہ تار لگی ہوئی تھی موم کی طرح پگھلنے لگا۔ یہ ان طاقتور ایٹمی شعاعوں کا نتیجہ تھا۔ جو اس بکس سے نکل رہی تھیں چند ہی منٹ میں دیوار کا کافی بڑا حصہ غائب ہو گیا۔ اب وہاں ایک خلا تھا جس سے ایک آدمی آسانی سے اندر گھس سکتا تھا۔ اس شخص نے بٹن بند کیا اور تاروں کے سرے علیحدہ کر کے انہیں دوبارہ بکس میں دھکیل دیا۔ اور پھر بکس کو جیب میں ڈال کر وہ سوراخ سے اندر گھس گیا۔ اس کے بعد دو آدمی اور اندر چلے گئے۔ ایک آدمی سوراخ کے باہر کھڑا رہ گیا تینوں کے اندر جانے کے بعد اس نے سیاہ رنگ کا بڑا سا کپڑا نکالا اور سوراخ پر ڈال دیا ب وہ سوراخ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ دیوار کی پرلی طرف گھاس کا ایک چھوٹا سا پلاٹ تھا وہ تینوں گھاس میں لیٹ گئے۔ پلاٹ کے سامنے ایک کاریڈور تھا وہ تینوں آہستگی سے رینگتے ہوئے کاریڈور کی طرف بڑھنے لگے اچانک وہ رک گئے۔ کیونکہ گشتی سپاہیوں کے

ادھر آنے کی آواز سنائی دی وہ تینوں دم سادھے گھاس میں لیٹے رہے دو سپاہی ہاتھوں میں مشین گنیں لئے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کارڈیڈر کے پاس سے گزرے وہ آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کر رہے تھے انہوں نے اچٹتی ہوئی ایک نظر ادھر ادھر ڈالی اور پھر مطمئن ہو کر آگے بڑھ گئے ان کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ تینوں آہستہ سے اٹھے اور پھر بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے گھاس کا پلاٹ عبور کر گئے اب وہ کارڈیڈر میں تھے۔ کارڈیڈر میں تین کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے وہ درمیان والے دروازے کے پاس جا کر رک گئے ان میں سے ایک نے جو ان کا انچارج معلوم ہوتا تھا جیب سے وہی بکس نکالا اور ایک تار کھینچ کر دروازے کے آٹومیٹک لاک سے لگا دی یہاں بھی ایک شعلہ سا لپکا دوسری بار کچھ نہ ہوا اس نے [illegible] والا عمل یہاں بھی دہرایا اور آٹومیٹک لاک موم کی طرح پگھل گیا اس نے ہلکے سے دباؤ سے دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے اندر پردے لٹکے ہوئے تھے دروازے اور پردوں کے درمیان ایک پائیدان پڑا ہوا تھا اس نے جیب سے ایک ماچس نکالی اور اس سے ایک تیلی نکال کر پائیدان پر اچھال دی ایک نیلے رنگ کا شعلہ اٹھا۔ اور تیلی بھک سے اڑ گئی ظاہر تھا اگر ان میں سے کسی کا پیر پائیدان پر پڑ جاتا تو اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو اس تیلی کا ہوا تھا

اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر جیب سے ایک پنسل ٹارچ نکال لی۔ اور پھر روشنی کا ایک باریک سا نقطہ پائیدان کے ارد گرد پڑنے لگا چند ہی سیکنڈ میں پائیدان سے لگی ہوئی تاریں اسے دکھائی دیں اس نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور جیب سے کٹر نکال کر وہ تاریں کاٹ دیں یہ دراصل بجلی نہیں بلکہ حال میں ہی دریافت شدہ ساؤنڈ ریز تھیں ۔ اس نے ایک اور تیلی پائیدان پر اچھال لیکن کچھ نہ ہوا اور تیلی صحیح سالم وہاں پڑی رہی اس نے پائیدان پر قدم رکھ دیا اور پھر پردے اٹھا کر اندر گھس گیا۔ باقی دو آدمی بھی اندر گھس گئے دروازہ دوبارہ بند کر دیا گیا یہ دراصل کمرہ نہیں بلکہ ایک اور کاریڈور تھا جس میں مختلف آفیسروں کے دفتروں کے دروازے تھے ہر دروازے پر لکڑی کی تختیوں پر ان آفیسروں کے نام اور عہدے درج تھے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کاریڈوروں سے گذرنے لگے آخری کونے میں ایک بڑا سا دروازہ تھا جو کہ تمام کا تمام لوہے کا بنا ہوا تھا یہ ریکارڈ روم تھا اس شخص نے جیب سے ایک چپٹا سا پستول نکالا اور اس کا رخ دروازے کی طرف کر کے ٹریگر دبایا پستول کی نال سے ایک باریک سی سرخ رنگ کی شعاع نکلی اور جیسے ہی وہ دروازے پر پڑی کاک کی آواز آئی اور دروازے پر لگا ہوا خفیہ میگنزم کا نظام ٹوٹ گیا یہ وزارت خارجہ والوں کا

بہترین نظام تھا۔ یہ دراصل سپر آبو ریز کا نظام تھا یہ نظام آنے والی شعاعیں دروازے پر مسلسل پڑتی رہتی تھیں اور جیسے ہی کوئی آدمی اس نظام کو بند کیے بغیر اس دروازے کو ہاتھ لگاتا تمام عمارت میں گھنٹیاں بجنے لگیں اور ہر شخص چوکنا ہو جاتا ان شعاعوں کا سوائے وائی ریز کے اور کوئی توڑ نہیں تھا۔

وائی ریز ہی ایسی ریز تھی جو ان شعاعوں کا نظام توڑ سکتی تھیں اور یہ وائی ریز بھی ابھی حال ہی میں ایجاد ہوئی تھیں اس لیے سپر آبو شعاعوں کا نظام حفاظت کا جدید ترین اور ناقابل تسخیر نظام سمجھا جاتا تھا لیکن مجرم پوری تیاری سے آئے تھے انہیں یہاں کے ہر نظام کے متعلق علم تھا اور ہر نظام کا توڑ ان کے پاس تھا چنانچہ انہوں نے وائی ریز کے استعمال سے اس جدید ترین حفاظتی نظام کو ختم کر دیا اس شخص نے جیب سے وہی بکس نکالا اور اس کی تار سے اس دروازے کا لاک بھی ٹوٹ گیا انہوں نے جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اندر ایک اور دروازہ تھا اس وائی ریز سے اس دروازے کا نظام بھی ختم کیا گیا۔ اب وہ مطمئن تھے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ریکارڈ روم کے [redacted] تھے۔ چاروں طرف لوہے کی مضبوط الماریاں تھیں جن میں آٹومیٹک لاک لگے ہوئے تھے سب الماریوں کے اوپر نمبر لگے ہوئے تھے اس شخص نے پنسل ٹارچ کی مدد سے ہر الماری کے نمبر چیک کیے لیکن سٹ اندر۔

اس کا مطلوبہ بنڈل اسے نظر نہ آیا روشنی کا چھوٹا سا دائرہ چاروں طرف گھوم
رہا تھا۔

اچانک روشنی کا دائرہ دیوار میں لگے ہوئے ایک سوئچ بورڈ پر رک گیا۔
جس پر روشنی اور پنکھے کے بٹن فٹ تھے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اس
سوئچ بورڈ کے پاس پہنچا وہ ایک ایک بٹن کو غور سے دیکھتا رہا اچانک
اس کی نظریں بورڈ پر پڑے ہوئے سرخ بٹن پر پڑیں اس نے آہستہ سے اس
بٹن کو دبایا بٹن کے دبتے ہی بورڈ کے نیچے کی دیوار اپنی جگہ سے کھسک گئی۔
اس کے اندر ایک الماری بنی ہوئی تھی جس پر سرخ رنگ کا کراس بنا ہوا
تھا۔ سرخ رنگ کا کراس دیکھتے ہی اس کی آنکھیں اندھیرے میں چمکنے لگیں۔
شاید یہ خوشی کی وجہ تھی اس نے جیب سے وہی چھوٹا سا پستول نکالا اور
الماری کی طرف اس کا رخ کر کے ٹریگر دبا دیا سرخ رنگ کی باریک شعاع
اس میں سے نکلی اور ہلکی سی کلک کی آواز سے الماری پر لگا ہوا سپر آبو شعاعوں
کا نظام بھی ختم ہو گیا۔ اس نے اس پکس کی مدد سے اس الماری کو بھی کھول لیا۔
اس کے اندر سبز رنگ کی فائل تھی اس نے لپک کر وہ فائل اٹھالی۔ لیکن ہر
ممکن احتیاط کے باوجود یہاں وہ مار کھا گیا کیوں کہ اس فائل پر بھی سپر آبو
نظام فٹ کیا گیا تھا شاید یہ فائل بہت ہی زیادہ اہم تھی اس شخص کو شاید
فائل دیکھ کر ہی اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ

دیا یا شاید اس فائل پر لگے ہوئے اس نظام کے متعلق علم نہیں تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر فائل اٹھائی پوری عمارت گھنٹیوں کی آواز سے گونجنے لگی۔ وہ تینوں بُری طرح چونک پڑے انہوں نے فائل لی اور بھاگ کر ریکارڈ روم کے دروازے سے باہر آگئے۔ اب پوری عمارت میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ سیٹیوں پر سیٹیاں بجنے لگیں اور پھر اچانک پوری عمارت اچانک برقی روشنی سے جگمگانے لگی یہ ان کے لئے اور بھی خطرناک بات تھی وہ کارویڈور میں بھاگنے لگے۔ انہوں نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہتھیاروں کے رُخ آگے کی طرف کر دیئے اچانک کارویڈور کے سامنے والا دروازہ زور سے کھلا اس سے پہلے کہ ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی انہوں نے پھرتی سے اپنے ہتھیاروں کے ٹریگر دبا دیئے ان کے ہتھیاروں کی نالیوں سے بوچھاڑ کی طرح چھوٹے چھوٹے راکٹ دروازے پر گرنے لگے۔ پھر لگاتار دھماکے ہوئے کئی چیخیں بلند ہوئیں اور وہ دروازہ بھک سے اُڑ گیا انہوں نے ایک بوچھاڑ کارویڈور میں لگے ہوئے بلبوں پر کی اور وہاں تاریکی چھا گئی وہ تینوں بھاگ کر دروازے سے باہر نکلے جیسے ہی وہ باہر نکلے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی ان میں سے ایک کی کراہ بلند ہوئی اور نیچے گر پڑا باقی دو بھاگ کر ستونوں کی آڑ میں ہو گئے اب عمارت کے چاروں طرف گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں مجرموں کے ساتھیوں نے بھی صورتحال دیکھ کر حملے شروع کر دیئے وہ دونوں عمارت کے ستونوں

کی آڑ لیتے ہوئے گھاس کے پلاٹ تک پہنچ گئے اور پھر وہ دونوں زمین پر گر پڑے اور رینگتے ہوئے دیوار میں سے ہوتے ہوئے سوراخ کی طرف تیزی سے جانے لگے سپاہیوں کی نظریں ابھی تک ان دونوں پر نہیں پڑی تھیں وہ رینگتے ہوئے دیوار کے قریب پہنچ گئے اچانک عمارت پر لگی ہوئی بڑی سرچ لائٹ روشن ہو گئی اب وہ پلاٹ تیز روشنی سے جگمگا رہا تھا باہر کھڑے ہوئے ملزم نے سوراخ سے کپڑا ہٹا لیا تھا وہ دونوں بھاگ کر سوراخ سے باہر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا مگر دوسرے کو کسی سپاہی کی چلائی ہوئی گولی چاٹ گئی اور وہ عین سوراخ کے درمیان گر پڑا تھا دیوار کی پرلی طرف ابھی خاموشی چھائی ہوئی تھی فائر والا ملزم سوراخ سے نکل کر سڑک کے دوسرے کنارے کی طرف بھاگنے لگا

عمارت کے اندر اب بھی گولیاں چل رہی تھیں باہر کھڑے ہوئے ملزم بھی اپنی کاروں کی طرف بھاگنے اچانک ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اب سپاہی اس سوراخ سے نکل کر ان پر گولیاں برسا رہے تھے انہوں نے بھی پلٹ کر ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر ڈالی ان میں سے تین سپاہیوں کی چیخیں فضا میں گونجیں اور ادھر ان کے دو آدمی بھی زمین پر گر پڑے۔ باقی بھاگتے ہوئے ایک گلی میں گھس گئے

اب عمارت کے چاروں طرف واقع عمارتوں کی بتیاں جلنے لگ گئیں شاید

گولیوں کی آواز سے سب لوگ جاگ پڑے تھے۔ سب ملزم مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے اپنی کاروں تک پہنچ گئے۔ ان میں سے بھی دو کم ہو چکے تھے شاید انہیں گولیاں لگ گئی تھیں تین کاریں بھی سٹارٹ ہو کر چل پڑیں تینوں کاریں چوک سے مختلف راستوں پر مڑ گئیں پہلی کار تو کافی پہلے نکل چکی تھی۔ جب تک پولیس کی گاڑیاں وہاں تک پہنچیں ملزموں کی کاریں غائب ہو چکی تھیں ملزم اپنے چند آدمیوں کی قربانی دے کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے اور پولیس ہاتھ ملتی رہ گئی وزارت خارجہ کی اہم ترین فائل ملزموں کے پاس پہنچ گئی تھی۔



کیپٹن شکیل ابھی اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ ڈاکٹر اڈگر اٹھ کر باہر جائے تو وہ اس کا تعاقب کرے کہ ڈاکٹر اڈگر کا ساتھی اپنی میز سے اٹھ کر تیزی سے کیپٹن شکیل کی طرف آیا۔ کیپٹن شکیل نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا اس کے چہرے پر ابھرنے والے آثار کچھ اچھے دکھائی نہیں دے رہے تھے لیکن کیپٹن شکیل اطمینان سے بیٹھا رہا۔ وہ غیر ملکی تیزی سے کیپٹن شکیل کے پاس آیا اور تیز لہجے میں بولا۔

کیوں مسٹر یہ کیا حرکت تھی۔

کون سی جناب!

کیپٹن شکیل نے انجان بنتے ہوئے پوچھا حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ڈاکٹر اڈگر کے متعلق گذرے ہوئے واقعے کے بارے پوچھ رہا ہے۔

ابھی آپ نے ڈاکٹر صاحب کی توہین کی ہے۔

آپ ڈاکٹر صاحب کے کیا لگتے ہیں۔

اس سے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیئے آپ میری بات کا جواب تو دیجیئے۔ اس غیر ملکی کے لہجے میں اور بھی تیکھا پن آگیا۔

اب کیپٹن شکیل کو بھی غصہ آنے لگا۔ اس نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

آپ ہوش میں رہ کر بات کریں۔

لیکن کیپٹن شکیل کا فقرہ ختم ہونے سے پہلے اس غیر ملکی کا ہاتھ گھوم گیا۔ کیپٹن شکیل اچھل کر کھڑا ہوگیا اس نے غیر ملکی کا مکّہ اپنے ہاتھ پر روکا اس غیر ملکی کی اس حرکت سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے ہلکا سا ہاتھ اس غیر ملکی کے رسید کر دیا۔ لیکن اس ہلکے سے ہاتھ کا ردِّعمل انتہائی شدید ہوا سجانے اس ہلکے ہاتھ میں کتنی قوت پوشیدہ تھی کہ غیر ملکی اچھل کر دور فرش پر جا گرا اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے خون کی ہلکی سی لکیر بہہ نکلی اور وہ وہیں فرش پر ہاتھ پیر مارنے لگا شاید کیپٹن شکیل کے مکے سے

اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی تھی۔ چند لمحے تڑپنے کے بعد اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

لوگ اس واقعے سے گھبرا گئے تقریباً تمام لوگ اپنی اپنی میزوں سے اٹھ کھڑے ہوئے ٹلاکر ڈاوگر بھی اپنی میز سے اٹھ کر تیر کی طرح کیپٹن شکیل کی طرف آیا جس کے چہرے پر وہی سپاٹ پن تھا جو اپنے مقابل کے لیئے چیلنج بن جایا کرتا تھا۔ اچانک کیپٹن شکیل کو اپنے بازو میں کوئی گرم چیز اترتی محسوس ہوئی وہ سمجھ گیا ہال میں سے کسی شخص نے اس پر فائر کیا تھا بس پھر کیا تھا اس کے غصے کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا اس نے لپک کر پاس پہنچتے ہوئے ڈاکر کو پکڑا اور پھر ڈاکر اس کے سر سے بلند ہوتا گیا ڈاکر اس کے ہاتھوں میں کھلونے کی مانند معلوم ہو رہا تھا اس نے ٹلاکر کو گھما کر زور سے ایک میز پر پٹخ دیا۔ ڈاکر کو اٹھانے اور گرانے کے وقفے میں ہی اس نے چیک کر لیا تھا کہ ہال میں دو شخص ایسے تھے جنہوں نے ریوالور نکال رکھے تھے وہ یقیناً ڈاکر کے ساتھی ہوں گے۔ کیپٹن شکیل نے جھپٹ کر میز الٹ دی۔ اور اس کی آڑ میں ہو گیا۔ دو گولیاں یکے بعد دیگرے میز کی سطح سے ٹکرائیں لیکن کیپٹن شکیل کو کوئی گزند نہ پہنچی پورے ہال میں بھگدڑ مچ گئی ہر طرف چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں پورا ہال مچھلی بازار بنا ہوا تھا۔ کیپٹن شکیل نے جیب سے ریوالور نکال کر ایک فائر کیا اور ایک دیوار کے سہارے موقع پا کر لیٹ گیا۔ گولی شاید اس کے

پیٹ میں لگی تھی۔ ادھر صفدر نے صورتحال بگڑتے دیکھی تو اس نے نکال لیا اور پھر دوسرے شخص کا ریوالور اس کے ہاتھ سے [illegible] جیسے تیر کمان سے۔

یہ صفدر کا کمال تھا۔ کیپٹن شکیل یہ دیکھ کر پھرتی سے اٹھا اس نے لپک کر ڈاکٹر کو اٹھایا جو ابھی تک میز پر بے ہوش پڑا تھا اور تیر کی طرح مین گیٹ کی طرف بھاگا۔ چند آدمیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن صفدر نے ہوائی فائر کر دیا۔

لوگ رک گئے اور کیپٹن شکیل بجلی کی سی تیزی کے ساتھ مین گیٹ پار کر گیا۔ صفدر نے عقبی دروازے کا رخ کیا کیپٹن شکیل نے پھرتی سے ڈاکٹر کو اپنی کار میں ڈالا اور پھر اس کی کار تیزی سے ہوٹل کے کمپاؤنڈ کو پار کر گئی۔ اس کی رفتار انتہائی تیز تھی لیکن اچانک ایک موڑ مڑتے ہوئے اس کی نظر اپنے پیچھے آتی ہوئی ایک کار پر پڑی وہ سمجھ گیا کہ تعاقب ہو رہا ہے یقیناً ڈاکٹر کے ساتھی پارکنگ سٹینڈ میں بھی موجود تھے پہلے اس کا ارادہ ڈاکٹر کو لے کر دانش منزل کی طرف جانے کا تھا لیکن اب اس نے ارادہ بدل لیا۔ اور پہلے تعاقب کرنے والوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی کار کا رخ ساحل سمندر کی طرف موڑ دیا۔ تاکہ ویران جگہ میں آرام سے ان سے نپٹ سکے۔ پچھلی کار اس کی کار سے زیادہ تیز رفتار معلوم ہوتی تھی کیونکہ ان کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہوتا

ایکسیلیٹر پر پورا دباؤ ڈال دیا۔ اور کار اپنی پوری
سپیڈ پر بھاگنے لگی لیکن اس کے باوجود فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا آخر
یسنان سڑک پر پہنچ کر کیپٹن نے کار کی رفتار کم کر دی ابھی پچھلی کار
ی دور تھی۔ کہ پستول کی گولی اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس نے پھرتی
سے کار روکی اور نیچے سڑک کے کنارے کود گیا۔ وہاں لمبی لمبی گھاس تھی۔
ہ تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ تاکہ کوئی جائے پناہ ڈھونڈ سکے اور پھر
لینان سے مقابلہ کرے لیکن ابھی وہ چند ہی گز گیا تھا کہ اس کے ارد گرد
مشین گن کی گولیاں برسنے لگیں۔ مجرموں کی کار بھی اس کی کار کے
یب رک گئی تھی۔ لیکن اس میں سے ابھی کوئی آدمی باہر نہیں آیا تھا وہ
ار کی کھڑکی سے ہی گولیاں برسا رہے تھے۔ کیپٹن شکیل نے پھرتی سے
یک درخت کی آڑ لے لی تھی۔ گولیاں اس کے چاروں طرف برس رہی تھیں۔
یکن وہ محفوظ تھا اچانک اس کے ذہن میں ایک سکیم آئی اس نے ایک
ردار چیخ ماری اور چپ کر گیا۔ تھوڑی دیر تک گولیاں برستی رہیں۔ پھر
ا نک رک گئیں چند لمحے بعد کار میں سے ایک شخص باہر نکلا کیپٹن شکیل
پکا پڑا رہا وہ شاید یقین کرنا چاہتے تھے کہ آیا ان کا شکار ختم
ہو چکا ہے یا اس چیخ کے در پردہ کوئی چال ہے جب چند لمحے
کار میں سے تین اور آدمی بھی باہر اتر آئے۔ اب وہ

پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کیپٹن شکیل کے ڈرائیور سے پہلی گولی چلی اور ایک شخص چیخ مار کر الٹ گیا گولی اس کی کھوپڑی توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ کیپٹن شکیل نے یہ چال اپنی کار سے باہر نکالنے کے لئے چلی تھی۔ جو کامیاب رہی۔ باقی تینوں فوراً زمین پر لیٹ گئے مشین گن پھر چلنے لگی۔ باقی دو کے ہاتھ میں پستول تھے کیپٹن شکیل نے ٹریگر دبا دیا۔ اور مشین گن والا بھی زمین پر تڑپنے لگا

اس کی مشین گن اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی تھی۔ باقی دونوں نے یہ صورتحال دیکھ کر پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کار تک پہنچیں۔ کیپٹن شکیل کے پستول کی گولی ایک اور شخص کو چاٹ گئی لیکن دوسرا سیدھا کیپٹن شکیل کی کار کے کھلے ہوئے دروازے میں گھس گیا اور اس سے پہلے کہ کیپٹن شکیل اس کا کوئی تدارک کرتا لیکن کار تیزی سے سڑک پر بھاگنے لگی اس نے کار کے ٹائر پر گولی چلادی لیکن خطا گئی اور کار چند ہی لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ کیپٹن شکیل پھرتی سے مجرموں کی کار تک آیا لیکن کار خالی تھی۔ مجرم ڈاکٹر کو لے کر جا چکا تھا کیپٹن نے ا[redacted]رہ

ل کو اٹھا کر مجرموں کی کار میں ڈالا اور کار سٹارٹ کر کے شہر
طرف موڑ دی شہر کے نزدیک اس نے کار روکی اور خود ٹیکسی پر
ر ہو کر دانش منزل چل دیا۔ وہ مجرموں کی کار لے کر دانش منزل
یں جانا چاہتا تھا کہ کہیں مجرم اپنی کار کی وجہ سے ہیڈ کوارٹر کا
نہ جان جائیں۔





صبح اعلیٰ سرکاری حلقے میں فائل گ

ہوجانے سے تہلکہ مچا ہوا تھا ٹیلیفو

پر ٹیلیفون ہو رہے تھے خود صدر مملکت

اس سلسلے میں پریشان تھے زیادہ دبا

وزارت خارجہ کی چوکیداری پر مقرر ملازم

پولیس پر آرہا تھا لیکن وہ بھی مجبور تھ

کیوں کہ مجرموں نے ان کے سارے

سائنسی حربے ناکام کر دیئے تھے

مملکت نے فوراً ایک ہنگامی

طلب کیا تاکہ فائل کے گم ہو

جو صورتحال پیدا ہو گئی تھی اس کے متعلق غور کیا جائے تقریباً ایک گھنٹے کے بعد پریذیڈنٹ ہاؤس میں میٹنگ ہو رہی تھی جس میں ملک کے بڑے بڑے حکام موجود تھے۔ صدر مملکت میٹنگ کی صدارت کر رہے تھے۔ عمران بھی بطور ایسکورٹ وہاں موجود تھا۔ وہ حسب معمول سیاہ سوٹ پر نقاب لگائے ہوئے تھے میٹنگ میں سر سلطان سر رحمان وزیر خارجہ وزیر داخلہ انسپکٹر جنرل پولیس اور ملٹری کے اعلیٰ آفیسر بھی موجود تھے فائل کی گمشدگی پر تبصرے ہو رہے تھے میٹنگ میں موجود شاید چند آدمیوں کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس فائل کی کیا اہمیت تھی عمران کو سر سلطان نے فائل کے متعلق سب کچھ پہلے بتا دیا تھا میٹنگ کی کارروائی شروع ہوئی سب سے پہلے سر سلطان نے کھڑے ہو کر فائل کی گمشدگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور پھر یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ آپ میں سے کسی شخص کے ذہن میں اس فائل کی واپسی کے متعلق کوئی تجویز ہو تو براہ کرم میٹنگ میں پیش کریں تاکہ کوئی مناسب تجویز سوچ کر اس پہ عمل کیا جائے سب لوگ چند منٹ تک سوچتے رہے پھر انسپکٹر جنرل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حضرات! میرے ذہن میں ایک تجویز ہے وہ یہ کہ فوراً ملک کے تمام ہوائی اڈوں پر نگرانی سخت کر دی جائے تاکہ مجرم اس فائل کو لے کر

ملک سے فرار نہ ہو سکیں۔

لیکن ملٹری کے ایک آفیسر نے اعتراض کیا۔

کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ مجرم فائل ملک سے فوراً باہر لے جانے کی کوشش کریں گے ہو سکتا ہے وہ چند مہینے یا چند سال خاموشی سے گذار دیں اور پھر جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو وہ کسی طریقے سے فائل باہر لے جائیں۔

یہ بات بھی قابل غور تھی اس لئے ہال میں ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا حل سوچا جائے صدر مملکت باری باری ہر ایک کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ آخر کار اس کی نظریں ایکسٹو پر آ کر رک گئیں۔

مسٹر ایکسٹو۔

صدر مملکت نے ایکسٹو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور سب لوگوں کی توجہ ایکسٹو کی طرف ہو گئی۔

مسٹر ایکسٹو آپ ہی کوئی تجویز بتائیے یہ فائل ملک کے لئے بہت ہی زیادہ اہم ہے اس کا کسی غیر ملک کے ہاتھ لگ جانا ہمارے ملک کی مکمل تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

ایکسٹو نے ایک لمحہ کے لئے ہال میں نظریں دوڑائیں اور [illegible]

ہو کر کہا۔

محترم صدر مملکت مجھے احساس ہے کہ یہ فائل ملک کے لیے کتنی اہم ہے اور اس کی گمشدگی سے ملک کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہے اس سلسلے میں میرے ذہن میں ایک تجویز ہے اور مجھے امید ہے کہ اس تجویز کو عمل میں لا کر ہمیں جلد از جلد فائل واپس مل سکتی ہے۔

یہ کہہ کر ایکسٹو چپ ہو گیا۔

صدر مملکت نے فوراً کہا۔

مسٹر ایکسٹو خدا کے لیے جلدی سے وہ تجویز بتایئے آپ خاموش کیوں ہو گئے۔

تجویز بتانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میں پہلے اس بات کا یقین کر لینا چاہتا ہوں۔ کہ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اس میٹنگ کی کارروائی مجرموں تک نہیں جائے گی

ایکسٹو نے دھیمے لہجے میں کہا۔

صدر مملکت کے ساتھ میٹنگ میں موجود تمام لوگ بری طرح چونک پڑے۔

مسٹر ایکسٹو کیا آپ کو کسی شخص پر شک ہے۔

انسپکٹر جنرل پولیس نے خود کھڑے ہو کر پوچھا۔

جی ہاں میں سمجھتا ہوں کہ یہ میٹنگ مجرموں کے لئے خفیہ نہیں اس میں دہرایا ہوا ایک ایک لفظ ان تک پہنچ جائے گا۔ اور پھر ہماری تجویز دھری کی دھری رہ جائے گی۔

ایکسٹو نے اسی لہجہ میں کہا۔

مسٹر ایکسٹو آپ کو کسی پر شک ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ غلط آدمی ہے۔

صدر مملکت نے بے چینی سے کہا۔

سر سلطان بھی عجیب نظروں سے ایکسٹو کو دیکھ رہے تھے۔

انسپکٹر جنرل پولیس ابھی تک کھڑے تھے وہ بیٹھنے لگے تو اچانک ایکسٹو نے جیب سے ریوالور نکال کر انسپکٹر جنرل پولیس کو کور کر لیا۔

آپ ہاتھ اٹھا لیجیے۔ ایکسٹو نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں انسپکٹر جنرل پولیس سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیا۔ کیا مطلب؟

انسپکٹر جنرل پولیس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

سب لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انسپکٹر جنرل پولیس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ انسپکٹر جنرل پولیس بھی مجرموں کا ساتھی ہو سکتا ہے۔

اچانک ایک فائر ہوا اور ایکسٹو کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور ہوا میں اڑ گیا۔ جیسے ہی ایکسٹو کے ہاتھ سے ریوالور نکلا وہ تقریباً اڑتا ہوا انسپکٹر جنرل پولیس پر جا پڑا۔ گولی انسپکٹر جنرل پولیس کی جیب سے چلی تھی اس کا نشانہ انتہائی صحیح تھا لیکن ایکسٹو نے اسے دوسری گولی چلانے یا ریوالور باہر نکالنے کی مہلت نہ دی اور اس نے انسپکٹر جنرل پولیس کو چھاپ لیا انسپکٹر جنرل پولیس بھی اس سے لپٹ گیا ان دونوں میں زوردار جنگ شروع ہو گئی۔ باقی سب آفیسر حیرت کے عالم میں کھڑے تھے۔

ایکسٹو کا ایک زوردار مکہ انسپکٹر جنرل پولیس کے منہ پر پڑا۔ اور وہ فرش پر الٹ گیا ایک آفیسر آگے بڑھنے لگا لیکن ایکسٹو نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ انسپکٹر جنرل پولیس بھی غضب کا پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔ وہ پھرتی سے اٹھا اور ایکسٹو سے لپٹ گیا اس کی کوشش تھی کہ وہ ایکسٹو کے منہ پر پڑا ہوا نقاب الٹا دے لیکن اس کی پسلیوں میں ایکسٹو نے ایک زوردار گھٹنا مارا اور وہ کراہ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اور پھر دوسرا مکہ اس کی گردن پر اس زور سے پڑا کہ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا اتنے میں متعدد آفیسرز نے پستول نکال کر اسے کور کر لیا۔

ایکسٹو پیچھے ہٹ گیا۔ صدر مملکت نے میز پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور دروازہ کھول کر چند ملٹری آفیسرز جو میٹنگ ہال کے باہر پہرہ پر تھے اندر

جن کو یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ جب تک انہیں بلایا نہ جائے وہ ہرگز میٹنگ ہال میں داخل نہ ہوں۔ اندر آ گئے انہوں نے صدر مملکت کے اشارے سے انسپکٹر جنرل پولیس کو ریوالور سے کور کر لیا۔ ایک آفیسر نے اس کے کوٹ کی جیب سے پستول نکال لیا ایکسٹو نے بڑھ کر اپنا ریوالور اٹھا لیا۔ اور جیب میں ڈال کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ باقی سب لوگ بھی اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے اچانک انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک قہقہہ مارا اب اس کی نظروں میں اطمینان جھلکنے لگا۔ ایکسٹو فوراً آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا اس کا سر ڈھلک چکا تھا اس نے شاید کوئی انتہائی زہریلا کیپسول اپنے منہ میں چھپایا ہوا تھا جس کے نگلتے ہی وہ ختم ہو گیا ایکسٹو کے اشارے سے فوجی آفیسر اس کی لاش اٹھا کر باہر لے گئے

اس واقعے کا رد عمل میٹنگ میں بیٹھے ہوئے تمام آفیسران پر بڑا گہرا اثر پڑا ہر شخص اپنی اپنی جگہ متفکر تھا اچانک ایکسٹو کی آواز سنائی دی اور سب لوگ چونک پڑے۔

حضرات آپ نے دیکھا کہ مجرموں کا نظام کار کتنا اونچا ہے جب ہمارے ملک کا انسپکٹر جنرل پولیس ان کا آلہ کار ہو اور اپنی تنظیم کے لیے جان کی قربانی دے سکتا ہے تو اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تنظیم کتنی بڑی اور کتنی گہری ہے آپ حضرات حیران ہوں گے کہ مجھے انسپکٹر جنرل پولیس پر کیسے شک گزرا تو بات یوں ہے کہ جب میں نے تمام لوگوں کا جائزہ لیا تو مجھے انسپکٹر جنرل پولیس کی

حرکات وسکنات کچھ عجیب نظر آئیں مثلاً وہ اپنی کرسی پر بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ ان کا ایک ہاتھ بار بار ان کی جیب کی طرف جا رہا تھا جس کا ابھار بتا رہا تھا کہ اس میں ریوالور موجود ہے مجھے جب شک پڑا تو میں نے تصدیق کے لئے میٹنگ میں موجود لوگوں پر شک کا اظہار کیا اس کا ردعمل سب سے زیادہ انسپکٹر جنرل پولیس پر ہوا وہ فوراً گھبرا گئے جیسے میں نے انہیں کا نام لے دیا۔ اور ابھی شاید میں ان پر مکمل یقین نہ کرتا لیکن انہوں نے میرے پستول نکالنے پر فوراً فائر کر دیا، اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے ہال میں آپ لوگوں کو وہ بتو رہا تھا ہوں جو میں بتانا چاہتا تھا۔ میرے ماتحت مجرموں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں مجھے ان کی سرگرمیوں کا ایک دو روز پہلے علم ہو گیا تھا لیکن ان کے فائل اڑانے کے پروگرام سے میں بے خبر تھا۔ بہر حال آپ فکر نہ کریں مجھ پر اعتماد کریں۔ میں مجرموں کو فائل سمیت گرفتار کر لوں گا۔ یہ کہہ کر ایکسٹو اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

صدر مملکت نے ایکسٹو کی کوششوں پر اطمینان کا اظہار کیا اور ایکسٹو کو مجرموں کو جلد از جلد گرفتار کرنے کی تلقین کر کے میٹنگ برخاست کر دی۔





دوپہر کا وقت تھا۔ ایک بڑی سبز رنگ
کی کار تیزی سے شہر سے باہر جانے والی
سڑک پر اڑی جا رہی تھی سٹیرنگ جوزف
کے ہاتھ میں تھا اور جب کار کا چھوٹا
سا سٹیرنگ جوزف جیسے دیو کے ہاتھ
میں ہو، اور ادھر ادھر اس کا بھاری بھرکم
پیر کا دباؤ غریب ایکسیلیٹر پر ہو تو پھر
کار نے تو واقعی اڑنا ہوا ویسے جوزف
ایک بہترین ڈرائیور تھا اسے سٹیرنگ
پر مکمل کنٹرول تھا وہ انتہائی سپیڈ پر

کار سے جا رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر مکمل اطمینان تھا جیسے وہ کسی وسیع میدان میں کار ڈرائیو کر رہا ہو۔ پچھلی سیٹ پر عمران اور کیپٹن شکیل بیٹھے تھے عمران حسبِ معمول اونگھ رہا تھا کبھی کبھی اس کے خراٹے کار میں نشر ہونے شروع ہو جاتے تھے کیپٹن شکیل بھی آرام سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اس کا چہرہ حسب معمول سپاٹ تھا۔

کیپٹن شکیل کو منزل کا کوئی علم نہیں تھا کیوں کہ عمران نے اسے یہ کہہ کر ساتھ لے لیا تھا کہ چلو ذرا ہوا خوری کر آتے ہیں اب کیپٹن شکیل یہ تو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ حضرت خواہ مخواہ تو وقت ضائع کرنے سے رہے جبکہ ایک اہم کیس پیش نظر ہو لہٰذا کوئی نہ کوئی چکر تو ضرور ہوگا۔ لیکن وہ عمران کی عادت سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ کہ اگر اس کا بتانے کا موڈ نہ ہوا تو چاہے کتنی ہی کوشش کر لو ہرگز نہیں بتائے گا۔ اور اگر بتانا ہوگا تو خود بخود بتا دے گا۔ اس لئے خواہ مخواہ زور دینے سے فائدہ۔ وہ خاموشی سے بیٹھا ہوا سگرٹ پی رہا تھا کار کے اندر مکمل سکوت طاری تھا ہاں کبھی کبھی عمران کے زوردار خراٹے سکوت میں اضطراب پیدا کر دیتے۔

چند لمحے بعد اچانک عمران نے آنکھ کھولی پہلے تو وہ یوں ادھر ادھر حیرت سے دیکھنے لگا جیسے اسے سمجھ میں نہ آیا ہو کہ وہ کہاں ہے پھر کیپٹن شکیل اور جوزف کی طرف دیکھا اور اچھل پڑا۔

روکو. روکو. خدا کے لئے روکو۔

عمران نے زوردار آواز میں کہا۔

اور جوزف نے بریک پر پورا دباؤ ڈال دیا کار ایک زوردار آواز پیدا کرتی ہوئی گھسٹنا شروع ہو گئی کار کی رفتار چونکہ انتہائی تیز تھی اس لئے اچانک بریک لگنے سے وہ لٹو کی طرح گھوم گئی اب اس کا رخ شہر کی طرف تھا۔ جوزف کار کو روک کر چپکے سے بیٹھا رہا کیپٹن شکیل بھی سمجھ گیا کہ عمران پر اداکاری کا بخار چڑھا ہوا ہے اس لئے اس نے بھی دخل اندازی ضروری نہ سمجھی اور اطمینان سے بیٹھا سگرٹ پیتا رہا۔ جب کار رک گئی تو عمران کار کا دروازہ کھول کر باہر یوں کودا جیسے پیچھے سے اس پر گولیاں چلائی جا رہی ہوں۔ کار سے نکلنے کے بعد وہ چند قدم تو یوں ہی بھاگتا گیا پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دوڑنے لگیں۔

وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتا ہوا واپس کار کی طرف آیا اس کے چہرے پر خفت جھلکتی نظر آ رہی تھی۔

اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔

معاف کرنا یار میں نے کچھ اور سمجھا تھا۔

عمران نے کیپٹن شکیل کو مخاطب ہو کر کہا۔

دراصل بات یہ ہے میں سو گیا تھا آنکھ کھلی تو میں نے سمجھا کہ شاید مجرم مجھے

اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔

کیپٹن شکیل ہلکے سے مسکرا دیا ویسے وہ دل ہی دل میں عمران کی اداکاری کا لوہا مان چکا تھا اسے پتہ تھا کہ حماقتیں عمران کی فطرت کا جزو بن چکی ہیں۔ اور وہ کبھی بغیر کسی وجہ کے بھی اداکاری کرتا رہتا ہے چنانچہ اس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

عمران صاحب شکر ہے جلدی سمجھ آ گئی ورنہ آپ کو جیل جانا پڑتا۔

کیا مطلب کیا تم مجھے یہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔

عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

تو اور کیا ساری عمر آپ کا انتظار کرتا رہتا۔

کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

ہائے ظالم کیا بھاری ڈائیلاگ بول رہا ہے۔

کون سی فلم کا ہے۔

فلم تیلی کمار کا

کیپٹن شکیل نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اچھا۔

عمران نے یوں کہا جیسے کیپٹن شکیل نے کسی مقدس کتاب کی آیت پڑھ دی

باس کیا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں۔

جوزف نے ان کی باتوں میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا،

ہاں میرے کالے دیو تم ضرور کچھ کہہ سکتے ہو بلکہ کچھ کیوں بہت کچھ کہہ سکتے ہو مگر یہ خطرہ ہے کہ تمہارے جسم کے مطابق بہت کچھ سننے کے لیے مجھے باقی پوری زندگی خرچ کرنی پڑے گی۔

باس صرف اتنا پوچھنا تھا کہ کار چلاؤں یا نہیں۔

جوزف نے عمران کی بات کاٹتے ہوئے کہا،

ارے یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے چلاؤ کار پیارے تمہیں کار چلاتا دیکھ کر مجھے وہ فلم یاد آجاتی ہے جس میں ایک ہاتھی ڈرائیونگ سیٹ پر ٹرک چلا رہا تھا۔

عمران نے خوشی سے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

ہاتھی۔

جوزف نے حیرت سے پوچھا،

ہاں ہاں ہاتھی مگر جوزف جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ تھا تو انسان مگر شاید پچھلے جنم میں ہاتھی ہو گا۔

عمران کی باتوں کا چرخہ بجانے کب تک چلتا کہ جوزف نے کار سٹارٹ کر دی اور پھر وہ شہر کی طرف بھاگنے لگی۔

ارے ارے یہ کہاں جا رہے ہو؟

کمال ہے۔

کہیں تمہاری کھوپڑی تو نہیں الٹ گئی ہے۔

ہمیں شہر سے باہر جانا ہے شہر نہیں

روکو اسے۔

عمران نے سیٹ پر اچھلتے ہوئے کہا۔

مگر اس کار کا رخ تو شہر کی طرف ہے۔ جوزف نے کار روکتے ہوئے کہا۔

ارے او کالے ہاتھی اگر اس کار کا رخ آسمان کی طرف ہوتا تو ہمیں آسمان پہ ہی لے جاتا۔

تو باس موڑ دوں اسے۔

جوزف نے پوچھا۔

نہیں اسی طرح گیئر بیک میں ڈال کر الٹی کار لے چلو۔ دیکھنا اس طرح بڑا لطف آ جائے گا۔

عمران نے شاید اس پر طنز کی مگر پھر عمران نے کھوپڑی پہ ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ جب جوزف نے اسی طرح بیک گیئر میں کار چلانی شروع کر دی۔ کار کافی تیز رفتاری سے الٹے رخ دوڑ رہی تھی جوزف اسی طرح

اطمینان سے کار چلا رہا تھا۔ جیسے پہلے سیدھے رخ پر چلا رہا تھا آخر عمران سے نہ رہا گیا۔

وہ یوں بول پڑا۔

ارے دماغ خراب ہوگیا ہے ہمیں مردانے کی صلاح ہے۔ موٹر ٹھیک بائیں طرح چلاؤ۔

باس تم نے تو خود ہی کہا تھا جوزف نے اطمینان سے جواب دیا۔

ارے تیری قبر پر اگے ہوئے سرکنڈوں پر چیل منڈلائے ملیں نے تو طنز کیا تھا۔

عمران نے اسے لمبی ساری بد دعا دیتے ہوئے کہا۔

لیکن اس بد دعا کا اثر جوزف پر انتہائی شدید ہوا۔

اس نے فوراً کار روک دی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اس نے انگلی سے سینے پر کراس بناتے ہوئے کہا۔

باس تمہیں مادر جوشوا کی قسم مجھے اس طرح کی بد دعا نہ دیا کرو۔

اور کس طرح کی بد دعا دیا کروں بد دعاؤں کی بھی قسمیں ہوتی ہیں۔

عمران نے بڑی بوڑھیوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

تو پھر میں کار نہیں چلاتا۔ جوزف بھی بگڑ گیا۔

تو پھر دلدل میں بیٹھے ہوئے سانپ کے سر پر جلتا ہوا چراغ۔

عمران نے جوزف کو نئی بددعا دینی شروع کر دی۔

اور جوزف نے عمران کا فقرہ درمیان سے کاٹ دیا۔

باس باس خدا کے لئے چپ کر دمیں کار چلاتا ہوں۔

جوزف نے کار سٹارٹ کر دی اور پھر تیزی سے اس کا رخ موڑا۔

اور پھر کار سٹرک پر یوں بھاگنے لگی جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے۔

کیپٹن شکیل اس تمام عرصے میں خاموشی سے بیٹھا عمران اور جوزف کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتا رہا۔ اسے جوزف کا کردار بھی انتہائی دلچسپ لگا جنگلی گینڈے سے ٹکرا جانے والا گرانڈیل جوزف بددعاؤں سے یوں ڈرتا ہے جیسے بچہ بھوت سے اس وقت اس کا چہرہ پیلا پڑ جاتا آنکھیں خوف سے پھٹ جاتیں۔

اب کار میں دوبارہ خاموشی ہو گئی کار اب شہر سے تقریباً تیس میل دور آ چکی تھی۔ اس کا رخ دارلحکومت سے تقریباً پچاس میل دور ایک اور بڑے شہر کی طرف تھا۔ جو ایک بہت بڑی تجارتی منڈی ہے کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔

وہ شہر دارلحکومت جتنا وسیع و عریض نہ تھا لیکن اپنی گہما گہمی اور رونق کی وجہ سے اس سے کم بھی نہیں تھا۔

عمران شاید کسی خاص کام کی وجہ سے وہاں جا رہا تھا لیکن اس خاص

کام سے جوزف اور شکیل دونوں لاعلم تھے شہر سے تقریباً پانچ میل پہلے عمران نے جوزف کو کار روکنے کا حکم دیا۔ اور خود دروازہ کھول کر باہر نکل آیا جوزف اور کیپٹن شکیل کو بھی باہر آنے کا اشارہ کیا۔

جوزف نے کار سڑک کے کنارے روک دی تھی۔

کار کے دروازے لاک کر دو اور ڈگی میں سے بکس نکال کر ادھر لے آؤ۔

عمران نے جوزف کو حکم دیا اور خود سڑک سے ذرا دور ایک شکستہ سے کھنڈر کی طرف بڑھنے لگا۔

بات کیا ہے!

آخر کیپٹن شکیل سے نہ رہا گیا۔

بات یہ ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کا قہر اپنے پیارے بندوں ۔

لاحول ولا قوۃ عمران نے اپنا سر پیٹ لیا۔ میں بھی کیا کہہ گیا ہوں۔

یار شکیل میدان حشر میں میری مغفرت کے لئے سفارش کر دگے۔

عمران نے یکدم موضوع تبدیل کر دیا۔

اور اگر مجھے خود سفارش کی ضرورت پڑ گئی تو۔

کیپٹن شکیل نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا کیوں کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ جتنا بھی زور لگا لو۔ عمران اصل بات نہیں بتائے گا اور عمران سے باتوں میں جیتنا کم از کم کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

یار شکیل اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت کی سیکرٹ سروس میں شامل کر لیا تو پھر کیا ہوگا۔

عمران نے انتہائی بھول پن سے کیپٹن شکیل سے پوچھا۔

اور کیپٹن شکیل کو ہنسی آگئی۔

اتنے میں وہ اس کھنڈر میں پہنچ گئے یہ کوئی قدیم زمانے کی سرائے معلوم ہوتی تھی۔ جواب بالکل ویران پڑی تھی۔ البتہ کونے میں محکمہ آثار قدیمہ کی ایک چھوٹی سی تختی لگی ہوئی تھی۔ جس سے اس سرائے کی تاریخ پر کچھ روشنی پڑتی تھی کیپٹن شکیل اس کھنڈر میں داخل ہوتے ہی چوکنا ہو گیا لیکن عمران نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اعصاب پر زور مت ڈالو یہاں مجرم وغیرہ نہیں ہیں ہم یہاں ایک اور کام کے لئے آئے ہیں۔

اتنے میں جوزف کاندھے پر ایک بکس رکھے کھنڈر کے اندر داخل ہو گیا۔

اسے کھولو۔

جوزف نے اسے کھول دیا۔

اس میں اوپر ایسے لباس تھے جو آج کل کے مشہور غنڈے پہنتے تھے یعنی سرخ رنگ کی پتلون اور نیلے رنگ کے کوٹ۔ عمران نے جب وہ

لباس اٹھائے تو نیچے ایک جدید ترین مشین گن موجود تھی۔ اس برین گن کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ اس تواتر سے گولیاں برساتی تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آگ برس رہی ہو۔ اور اس کی زد میں آنے والی ہر چیز نیست و نابود ہو جاتی تھی۔ لیکن اس میں ایک خامی بھی تھی۔ یعنی اس سے اتنا ارتعاش پیدا ہو جاتا کہ انسان چند منٹ سے زیادہ اسے چلا نہیں سکتا تھا ورنہ وہ اپنا توازن نہ سنبھال سکتا یہ برین گن تھی اصل میں ابھی تجرباتی دور میں تھی۔ عمران کے ملک کا مایہ ناز سائنسدان ڈاکٹر شاہ اس پر مزید تجربات کر رہا تھا۔

ڈاکٹر شاہ نے اس گن کے عملی تجربے کرنے کے لئے اسے سر سلطان کے حوالے کیا۔ اور سر سلطان نے اسے عمران کے سپرد کر دی تاکہ اس کا عملی تجربہ کر کے رپورٹ دے عمران نے دانش منزل کی لیبارٹری میں اس کے تجربے کئے۔ اور پھر جلد ہی اس کی ریڈی میڈ کھوپڑی نے اس برین گن کی خامی کا فوری حل نکال لیا۔ اس نے بیٹری سے چلنے والا ایک چھوٹا سا آلہ تیار کیا۔ جس میں ایریل نما چھوٹی سی تار لگی ہوئی تھی اگر اس آلے کو انسان اپنے لباس پر فٹ کرے تو اس برین گن کے چلنے سے ارتعاش کی جو لہریں اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور پھر اسے فضا میں بکھیر دیتا ہے اس طرح وہ لہریں انسانی جسم پر اثر انداز نہ ہوتیں اس آلہ سے اس برین گن کی یہ بڑی خامی دور ہو جاتی۔

عمران نے بکس سے دو لباس نکالے اور ان میں سے ایک کیپٹن شکیل کی طرف بڑھا دیا۔ کہ سرائے کے کسی کمرے میں جا کر وہ لباس پہن لے۔ خود بھی ایک لباس اٹھا لیا۔ اور اسے پہننے کے لئے ایک طرف اوٹ میں چلا گیا ایک لباس جوزف کو بھی دیتا چلا گیا۔ تاکہ وہ اسے پہن لے۔ یہ تینوں لباس آج کل کے غنڈہ دل میں بہت مقبول تھے۔ تھوڑی دیر بعد تینوں اکٹھے ہوئے تو تینوں اپنے لباسوں سے غنڈے دکھائی دے رہے تھے۔ عمران نے بکس سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا اس میں میک اپ کا مختصر سامان تھا چنانچہ اس نے کیپٹن شکیل کے چہرے پر میک اپ کی ہلکی سی تہہ چڑھا دی۔ اب کیپٹن شکیل کو دیکھ کر کوئی بھی اسے شریف کہنے کے لئے تیار نہ ہوتا کیونکہ ماتھے پر چاقو کا ایک لمبا اور گہرا نشان بڑی بڑی مونچھیں۔

اوپر والے ہونٹ پر زخم۔ داہنے گال پر گڑھا آنکھوں میں سرخی اس میک اپ میں وہ کوئی بے جگر غنڈا لگ رہا تھا۔

عمران نے اپنے چہرے پر بھی ہلکا سا میک اپ کیا لیکن اس کا میک اپ شرافت اور غنڈے پن سے بین بین تھا۔

جوزف کو بھی ہلکے میک اپ سے سنوارا گیا۔ تاکہ وہ پہچانا نہ جا سکے عمران نے میک اپ سے فارغ ہو کر ایک اونچی فلیٹ ہیٹ

نکالی۔ اور کیپٹن شکیل کی طرف بڑھا دی۔

کیپٹن شکیل اس ہلمیٹ کو ہاتھ میں لے کر ایک لمحہ کے لئے جھجکا لیکن پھر اس نے اسے سر پر پہن لیا۔ اور پھر عمران نے ٹوپی میں لگے ہوئے اس آلے کے متعلق کیپٹن شکیل کو بتلایا تو کیپٹن شکیل کا اس کی اونچائی پر اعتراض ختم ہو گیا۔ عمران نے برین گن بھی شکیل کے ہاتھوں میں دے دی جو اسکے لمبے سے کوٹ میں باآسانی چھپ گئی اب عمران نے بھی ایک کیپ نکال کر سر پر پہن لی۔ جس سے اس کی آنکھیں تقریباً چھپ گئیں۔

پھر عمران نے ایک صندوق نکالا۔ اور جوزف کو اسے اٹھانے کا اشارہ کیا اور وہ تینوں ایک نئی سج دھج کے ساتھ کار کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ تو بتلائیے کرنا کیا ہے؟

کیپٹن شکیل نے چلتے چلتے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

پوچھنا کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی معمولی بات پوچھ رہا ہو۔

عمران ایک لمحے کے لئے مسکرایا۔

اور پھر بولا۔

شہر میں غنڈوں کی ایک پارٹی سے ملاقات کرنی ہے۔

وہ تینوں کار میں بیٹھ گئے اور کار ایک بار پھر شہر کی طرف بھاگنے

گی۔ تھوڑی دیر میں کار شہر کے سب سے بڑے بازار سے گذر رہی تھی
جوزف عمران کے بتائے ہوئے راستوں پر کار دوڑا رہا تھا کار کا رخ
بندرگاہ کی طرف تھا۔

اچانک عمران نے کیپٹن شکیل سے مخاطب ہوکر کہا۔
سنو شکیل آج ہم نے ایک بڑا معرکہ سر کرنا ہے یہ تمام تیاریاں
اسی کے لیئے ہیں۔

مجھے شک ہے کہ "ردیا" کی پارٹی کا ہاتھ موجودہ ہنگاموں میں ہے
ردیا کی پارٹی ملک کے مشہور اور بے جگر غنڈوں پر مشتمل ہے جس کے
ہر فرد کو موت کا فرشتہ سمجھا جاتا ہے وہ سفاکی اور لڑنے کے
فن میں طاق ہیں۔

آج ہم نے ان کا مقابلہ کرنا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ "ردیا"
ہماری بہادری اور بے جگری سے متاثر ہوکر ہمیں اپنے گروہ میں
شامل کرے اس طرح شاید ہم اصل حالات کا اندازہ کر سکیں۔ ورنہ کسی
صورت سے ردیا کی پارٹی کے اصل مقاصد کا اندازہ کرنا ناممکن ہے
تمہیں برین گن اس لیئے دی گئی ہے کہ تم ہم دونوں کے سردار ہو
تمہارا نام جیگر ہے تم نے اس برین گن سے سفاکی کی انتہا کر دینی
ہے اس طرح جتنے غنڈے کم ہوں گے شریف شہریوں کے لیئے بہتر ہے

بس یہ یاد رہے کہ تمہاری سفاکی بہادری اور بے جگری سے روپا پر دہشت سی چھا جائے اس میں میں اور جوزف بھی تمہاری مدد کریں گے جوزف کا نام جوزف ہی رہے گا اور میرا نام طائیگر ہو گا اب ہم روپا کے اڈے پر جا رہے ہیں۔ روپا نے بندرگاہ کے علاقہ میں ایک بار کھول رکھا ہے جہاں اس کا مستقل ٹھکانہ ہے بڑے بڑے دل گردے والے غنڈے بھی روپا کے نام سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ حد سے زیادہ سفاک ہے۔

تم فکر نہ کرو روپا نے ابھی تک سفاکی کا نام ہی سنا ہے دیکھا نہیں آج وہ جیگر کے روپ میں سفاکی دیکھے گا۔

کیپٹن شکیل نے خالص غنڈوں والے لہجے میں کہا۔

اتنے میں کار روپا کے بار کے سامنے جا کر رک گئی۔ روپا بار کے بالکل متصل ایک مکان تھا جس کی کھڑکی کے سامنے لکڑی کی بالکونی بنی ہوئی تھی۔ اور سیڑھیاں نیچے آ رہی تھیں اس بالکونی پر ایک غنڈہ کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا ان کی کار جیسے ہی رکی وہ غنڈہ بڑی دلچسپی سے کار کو دیکھنے لگا۔

کیپٹن شکیل نے کار کا دروازہ کھولا اور بڑی شان اور وقار سے باہر نکلا ابھی اس نے ایک دو قدم ہی اٹھائے ہوں گے کہ بالکونی پر کھڑے

ہوئے غنڈے کے پسٹل سے شعلہ لپکا اور گولی سائیں کی آواز کے ساتھ کیپٹن شکیل کے پاس سے گذر گئی۔ کیپٹن شکیل پھرتی سے مڑا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں برین گن تھی۔ اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو۔ برین گن سے نکلنے والی گولیوں کی بوچھاڑ جولاوے کی صورت میں باہر نکل رہی تھی بالکونی اور سیڑھیوں کے پرخچے اڑ گئے اور وہ غنڈہ کسی حقیر تنکے کی طرح اڑتا ہوا بالکونی سے نیچے آنے لگا۔

عمران کار سے نکل کر کیپٹن شکیل کی طرف بھاگا تاکہ اسے برین گن چلانے سے باز رکھ سکے۔ لیکن کیپٹن شکیل کی برین گن چلی جا رہی تھی۔

عمران سر جھٹک کر رہ گیا کیوں کہ وہ پہلی بار سے فائرنگ کی آواز سن کر کافی سارے غنڈے باہر نکل آئے تھے ان کے سامنے وہ کیپٹن شکیل سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اس کا پلان تھا کہ برین گن اس وقت چلائی جائے جب کوئی اور چارہ نہ رہے لیکن کیپٹن شکیل پہلے ہی حملے میں اس کا مظاہرہ کر چکا تھا ایک لحاظ سے یہ اچھا ہوا کیونکہ کیپٹن شکیل کی قد و قامت، اس کی ٹوپی، اور اس کے چہرے اور پھر ہاتھ میں برین گن نے غنڈوں میں سراسیمگی

پھیلا دی۔ جوزف کی شخصیت سے بھی وہ متاثر ہوئے فائر کرنے والا غنڈہ زمین پر پڑا تھا اس کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ کیپٹن شکیل نے اس کی طرف ایک نظر بھی ڈالی اور خود عمران اور جوزف سمیت لڈیا بار میں داخل ہو گیا۔





کیپٹن شکیل ہاتھ میں برین گن لئے
بڑی شان سے "روپا بار" میں داخل ہوا
اس کے پیچھے پیچھے عمران تھا جو جھینپا
جھینپا سا محسوس ہوتا تھا۔ عمران کے
بعد جوزف تھا جس کی پتلون کے دونوں
سائڈ ہولسٹروں میں دو ریوالور لٹکے ہوئے
تھے۔ وہ جیسے ہی بار میں داخل ہوئے
بار میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ عمران ہلکا
سا مسکرایا وہ تینوں ایک میز کے گرد
بیٹھ گئے کیپٹن شکیل نے برین گن کو ٹ

کے اندر لگے ہوئے تسموں میں فٹ کر دی۔ ہر شخص ان کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خاص طور پر بیرے اور کاؤنٹر پر کھڑا ہوا ایک دیو ہیکل غنڈا انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا ایک لمبا تڑنگا بیرا ان کی طرف تیزی سے بڑھا۔

کیا چاہیئے!

اس کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔

کیپٹن شکیل نے ایک لمحے کے لئے بیرے کو دیکھا اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

تمہیں جنگیر کے سامنے اونچی آواز میں بولنے کی جرأت کیسے ہوئی۔

کیپٹن شکیل کی آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی۔ اس نے لپک کر بیرے کی گردن ایک ہاتھ سے پکڑ لی اور پھر ایک چٹخ کی آواز نکلی اور بیرے کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اور وہ کسی مردہ چھپکلی کی طرح زمین پر پڑا تھا بیرے کے مرتے ہی بار میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا آج تک کسی کو تصور میں بھی اتنی جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ "روپا بار" میں بیٹھ کر اس کے کسی بیرے کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سکے مارنا تو ایک طرف رہا کیوں کہ بیرے دراصل روپا کی پارٹی کے غنڈے تھے۔

اور آج روپا بار ہی میں بیٹھ کر ایک اجنبی غنڈے نے صرف ایک ہاتھ

سے بیرے کی گردن توڑ دی نتیجہ ظاہر تھا طوفان تو اٹھنا ہی تھا۔
عمران اور جوزف بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ان کے چاروں طرف غنڈوں ہی غنڈے نظر آ رہے تھے۔ کاؤنٹر پہ کھڑا ہوا دیو ہیکل غنڈہ روپا کا خاص اسسٹنٹ بومی تھا۔ وہ لڑنے میں ماہر سمجھا جاتا تھا وہ صورت حال دیکھ کر کاؤنٹر سے باہر نکل آیا۔ اور آہستہ آہستہ ان تینوں کی طرف آنے لگا۔ وہ میز کے نزدیک آ کر رک گیا اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں
کون ہو تم؟
اس کی گرجدار آواز گونجی۔
جواب میں کیپٹن شکیل کا زوردار قہقہہ ہوا میں گونجا۔ انداز انتہائی خوفناک تھا اردگرد کھڑے ہوئے غنڈوں کا دل کانپ اٹھا کیوں کہ ان کی نظروں میں اجنبی غنڈے کی موت رقص کرنے لگی۔
جگیہ۔
کیپٹن شکیل نے بومی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔
بومی نے جواب دیا۔ کی بجلی کی پھرتی سے کیپٹن شکیل پر چھلانگ لگا دی اس سے پہلے کہ بومی کیپٹن شکیل تک پہنچتا جوزف تیزی سے درمیان میں آ گیا بومی کا حملہ جوزف نے دونوں ہاتھوں سے روکا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا جوزف کا ایک شاندار پنجا بومی کے چہرے پر پڑا مکے میں اتنی شدت تھی کہ بومی

جیسا دیو ہیکل فرش پر جا پڑا اس کے منہ سے دانتوں کے ٹکڑے نکل پڑے جس گال پر مکا پڑا تھا وہ پھٹ کر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ جوزف نے شاید اپنی پوری قوت استعمال کر دی تھی لیکن ادھر لوبی بھی کمزور نہیں تھا۔ وہ اس شدید مکے کو برداشت کر گیا۔ اور انتہائی تیزی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے منہ اور رخسار سے خون متواتر بہہ رہا تھا ابھی وہ پوری طرح کھڑا بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ جوزف نے اسے لپک کر ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ جوزف نے جس طرح پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا اسے دیکھ کر عمران بھی عش عش کر اٹھا۔

جوزف نے لوبی کو اٹھا کر بار کی دیوار سے دے مارا ایک پٹاخے کی آواز سنائی دی اور پھر لوبی کا مغز دیوار پر چھیچھڑے کی طرح لٹکتا رہ گیا اس کی کھوپڑی پھٹ چکی تھی۔ یہ سفاکی اور طاقت دیکھ کر ہال میں کھڑے ہوئے غنڈے دہشت زدہ ہو گئے۔

اچانک ایک گرجدار آواز گونجی۔

یہ کیا ہو رہا ہے ؟

سب کی نظریں کاؤنٹر کے ساتھ بنے ہوئے دروازے پر پڑیں اس کے باہر ملک کا خطرناک ترین غنڈہ ندیا کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کا جسم انتہائی کسرتی تھا چہرے پر زخموں کے بے شمار نشان تھے ہاتھوں میں ریوالور

تھا۔ غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور بھی زیادہ مسخ ہو گیا تھا۔
مداری کا تماشہ۔

عمران نے مداریوں کی طرح ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔
اور روپا کا غصہ اپنے عروج پہ پہنچ گیا۔
بکواس مت کرو۔

غصے سے اس کی آواز پھٹ گئی۔
اس نے اپنے کمرے کی طرف دیکھ کر کہا۔
جامو، شامو، سومو باہر نکلو۔

اس کی آواز سنتے ہی اس کے کمرے سے تین انتہائی خطرناک صورتوں والے اور انتہائی طاقت ور اور ٹھوس جسموں والے غنڈے باہر نکل آئے عمران جانتا تھا کہ یہ تینوں غنڈے چاقو کی لڑائی میں ماہر سمجھے جاتے ہیں آج تک کوئی شخص چاقو کے مقابلے میں ان سے نہیں جیت سکا تھا اور یہ تینوں روپا کے باڈی گارڈ بھی تھے اور دست راست بھی وہ تینوں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگے۔ اب روپا کے چہرے پر اطمینان کی لہریں تھیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان تینوں کی موت انہی کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی تھی یعنی کیپٹن شکیل وغیرہ کی۔
ان تینوں کو ختم کر دو۔

روپا نے اشارہ کیا۔

عمران نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا ہلکی سی آنکھ دبائی اور کہا۔

باس اگر اجازت ہو تو اکیلا ٹائیگر ان تینوں بکریوں کو ذبح کر دے

اجازت ہے۔

کیپٹن شکیل نے بھی بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

باس۔

جوزف نے اجازت طلب نظروں سے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں صرف ٹائیگر ان سے نپٹ لے گا۔

کیپٹن شکیل نے لاپرواہی سے کہا۔

اتنے میں وہ تینوں غنڈے ان کے نزدیک پہنچ چکے تھے تینوں نے لمبے لمبے چاقو کھول لئے ہال میں کھڑے ہوئے تمام غنڈے دم سادھے یہ یہ خوفناک جنگ دیکھ رہے تھے۔

عمران دو قدم آگے بڑھ آیا اس کے ہاتھ خالی تھے۔

اس کے ہاتھ خالی دیکھ کر تینوں غنڈوں کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری شاید انہیں اس اجنبی غنڈے کی موت کا یقین ہو چکا تھا اور انہیں یہ بھی آسانی ہو گئی کہ وہ بجائے تینوں سے اکٹھے لڑنے کے تینوں کو

باری باری آسانی سے ختم کر سکتے تھے عمران سے چار قدم دور وہ تینوں رک گئے۔ عمران نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اچانک ان تینوں نے اکٹھے چھلانگ لگائی۔

تینوں چاقو بجلی کی طرح ہوا میں لہرائے۔

دیکھنے والوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

انہیں شاید عمران کی چیخ و پکار کا انتظار تھا۔ لیکن پھر دیکھنے والوں کی حیرت سے چیخیں نکل گئیں جب انہوں نے عمران کو دوسری طرف کھڑا دیکھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں جھپک رہا تھا۔ اور وہ تینوں عمران کی جگہ فرش پر پڑے ہے۔

عمران نے کمال پھرتی سے کام لیا تھا وہ جیسے ہی اکٹھے حملہ آور ہوئے عمران تیزی سے نیچے بیٹھ گیا اور وہ تینوں اپنے زور میں اس سے اوپر گزرتے ہوئے فرش پر جا گرے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک لمحے کے لیے رویا نے بھی آنکھیں جھپکیں، اور پھر وہ دوبارہ حملہ دیکھنے لگا۔

وہ تینوں پھرتی سے اٹھے۔

اب غصے سے ان کی آنکھوں میں چراغ جلتے نظر آ رہے تھے انہوں نے حملے کے لیے چاقو ذرا سے اٹھائے ہی تھے کہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے

عمران بجلی کی سی تیزی سے اچھلا اور پھر ایک زوردار فلائنگ کک درمیان والے غنڈے کے سینے پر پڑی اور وہ بھیانک چیخ مارتا ہوا پیچھے جا گرا۔ اس کا چاقو فرش پر گر پڑا۔ عمران زمین پر گرتے ہوئے ہاتھوں کے بل جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اب گرے ہوئے غنڈے کا چاقو اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اور باقی غنڈے ہکا بکا کھڑے دیکھ رہے تھے یہ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہوگیا تھا۔ نیچے گرنے والا غنڈہ ایک لمحے کے لئے تڑپا اور پھر ساکن ہوگیا۔ اس کے منہ سے خون ابل پڑا۔ عمران کی فلائنگ کک نے اس کے سینے کی پسلیاں توڑ دی تھیں۔

اپنے ساتھی کے منہ سے خون نکلتا دیکھ کر دونوں غنڈے بھی ہوش میں آ گئے۔ انہوں نے تیزی سے عمران پر حملہ کر دیا۔ عمران نے بایاں ہاتھ ایک غنڈے کے چاقو والے ہاتھ پر مارا اور دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا دوسرے غنڈے کی طرف بڑھایا۔ اور پھر پلک جھپکنے میں ایک غنڈے کی بھیانک چیخ فضا میں لہرائی۔ جس غنڈے کی طرف عمران نے ہاتھ بڑھایا تھا اس نے اپنے چاقو سے عمران کے ہاتھ پر ضرب لگانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ عمران کے حملے کے انداز کو نہ سمجھ سکا تھا عمران کا ہاتھ اس کے سینے کی طرف بڑھا تھا۔ لیکن پھر جھٹکے سے عمران کا چاقو پوری قوت سے اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ عمران کا چاقو پیٹ کے کافی حصے کو پھاڑ چکا تھا۔

اس کی آنتیں نکل چکی تھیں۔ اور اس غنڈے کا جس کے ہاتھ پر عمران نے ہاتھ ڈالا تھا تکلیف کے مارے برا حال تھا کیونکہ عمران نے اس کے ہاتھ کو ایک جھٹکا سا جھٹکا دیا تھا۔ اور تڑاخ کی آواز کے ساتھ ہی اس کا بازو جھولنے لگا۔ وہ اپنا بازو پکڑے لڑکھڑا رہا تھا۔ عمران نے اچھل کر پوری قوت سے اس کی ناک پر ٹکر ماری اور وہ چلا کر الٹا ہوا نیچے آ گرا اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اب تینوں غنڈے بے کار ہو چکے تھے۔ دو تو مر چکے تھے اور تیسرا فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

روپا کا یہ دیکھ کر غصے کے مارے برا حال ہو گیا۔ اس کے بہترین لڑاکے صرف ایک معمولی سے آدمی نے مار کر رکھ دیئے تھے اس نے جھلاہٹ کے مارے عمران پر گولی چلا دی۔ عمران پھرتی سے اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ گولی سنسناتی ہوئی روپا کے ایک دیٹر کے سینے میں گھس گئی وہ ایک بھیانک چیخ مار کر دوسری طرف الٹ گیا یہ دیکھ کر روپا کو اور بھی غصہ آ گیا اس نے غصے کی شدت سے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر تڑاتڑ عمران پر گولیاں برسنے لگیں لیکن عمران نے شنگ آرٹ کا شاندار مظاہرہ کیا وہ لٹو کی طرح گھوم رہا تھا اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے چھٹی گولی کے بعد جھلاہٹ میں روپا نے ریوالور بھی عمران پر کھینچ مارا اب غصے کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں میں حیرت کی جھلکیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ اچانک

ایک گولی عمران کے کان کے پاس سے گذر گئی۔

اس بار ایک دیٹر نے گولی چلائی تھی۔

باقی لوگ ابھی حیران و پریشان کھڑے تھے اس سے پہلے کہ دیٹر دوسری گولی چلاتا کیپٹن شکیل نے پھرتی سے برین گن اپنے کوٹ سے باہر گھسیٹ لی اور پھر ہال میں ایک قیامت آگئی۔ برین گن سے نکلنے والے لاوے نے ہال میں چیخیں پھیلا دیں۔

پہلے ہی حملے میں تقریباً بیس آدمی فرش پر پڑے تڑپ رہے تھے اس سے پہلے کہ کیپٹن شکیل کی برین گن کا رخ ریمبا کی طرف ہوتا ریمبا نے دونوں ہاتھ کھڑے کر کے بے اختیار چلانا شروع کر دیا۔

ٹھہریئے ٹھہریئے۔

کیپٹن شکیل کا ہاتھ رک گیا۔

ہال میں افراتفری مچ گئی تھی۔ بہت سارے لوگ خوفزدہ ہو کر باہر بھاگ گئے تھے۔

یہ بار چونکہ منبرگاہ کے ایک کونے میں الگ تھلگ بنا ہوا تھا دوسرے یہ بار ریمبا کا تھا۔ جہاں ہر روز ایسے کھیل کھیلے جاتے تھے یہ اور بات ہے کہ پہلے پلّا ہمیشہ ریمبا کی پارٹی کا بھاری ہوتا تھا اور اب وہ شکست کھا چکے تھے۔

یہاں کی پولیس ردیا کے نام سے خوفزدہ رہتی تھی۔ اس لیے چاہے
یہاں سارا دن گولیاں چلتی رہیں۔ پولیس کبھی توجہ نہ دیتی تھی۔ آج اس بار
کا پہلا دن تھا جب تین آدمی اجنبی آدمیوں نے اپنی سفاکی اور بے جگری کی
دھاک ردیا سمیت پورے بار میں بٹھا دی تھی یہ غنڈے ان تینوں کو مافوق
الفطرت سمجھنے لگ گئے تھے۔

آپ تینوں میرے کمرے میں چلیں۔ آپ کی طرف میں دوستی کا ہاتھ
بڑھاتا ہوں۔

ردیا نے کیپٹن شکیل کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

ہمارے ساتھ دھوکے کا تصور تک بھی نہ کرنا۔ ورنہ ہم پہاڑوں کو بھی اپنی
جگہ سے ہلانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

تم بے فکر رہو

ردیا جسے دوست کہتا ہے اس کے لئے جان تک لڑا دیتا ہے۔

ردیا کا لہجہ انتہائی دوستانہ تھا۔

تم اندر جا کر ہمیں کان تو نہیں پکڑا دو گے۔

عمران کا لہجہ انتہائی خوفزدہ تھا۔

اور ردیا سمیت بار میں موجود دیگر لوگوں کے چہروں پر الجھن آمیز مسکراہٹ
پھیل گئی وہ اس نوجوان کو سمجھنے سے قاصر تھے جس نے ردیا کے نامی گرامی چاقو

بازوں کو اکیلے ہی ختم کر دیا تھا اور ردپا جیسے ثناء بازو کی کوئی گولی بھی اسے نہ چھو سکی تھی۔ اور اب انتہائی خوفزدہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

کیپٹن شکیل کے سر ہلانے پر جوزف اور عمران تینوں ردپا کے آفس میں چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی ہال میں چہ میگوئیاں پھیل گئیں۔

لوگ دوبارہ میزوں پہ بیٹھ گئے بیروں نے جلدی سے مرے ہوئے اور زخمی لوگوں کو اٹھوا کر ہال کے پیچھے تہہ خانوں میں پہنچا دیا۔ ہال کی صفائی کر دی گئی۔ فرنیچر تبدیل کر دیا گیا اور اب ایسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہاں کوئی ہنگامہ ہی نہ ہوا ہو۔

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا موضوع یہ تینوں اجنبی غنڈے تھے لوگ باری باری ان تینوں کے کارنامے بیان کر رہے تھے۔ ہر شخص ان تینوں کی سفاکی بہادری سے متاثر تھا کیپٹن شکیل سے اس لئے کہ اس نے نہ صرف ایک ہاتھ سے ویٹر کی گردن توڑ دی تھی جوزف سے اس لئے کہ اس نے یوں جیسے دیوہیکل غنڈے کو کھلونے کی طرح اٹھا کر دیوار سے دے مارا تھا۔ اور عمران کو تو وہ سب مافوق الفطرت انسان سمجھ رہے تھے

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر دروازے کے اندر ایک لمبی سی میز کے گرد یہ تینوں بیٹھے تھے ان کے سامنے ردپا بیٹھا ہوا تھا۔ اور ان

تینوں کو تجسس آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

میں تم تینوں کی بہادری سے بے پناہ متاثر ہوا ہوں۔

روپا کا لہجہ خالص دوستانہ تھا۔

ہوں۔

کیپٹن شکیل نے بے پرواہی سے جواب دیا۔

عمران اور جوزف چپ چاپ بیٹھے تھے۔

آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔

روپا نے کیپٹن شکیل سے پوچھا۔

جام نگر سے۔

کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

آپ کا مقصد۔

روپا نے پوچھا۔

تم پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟

کیپٹن شکیل کا لہجہ انتہائی خونخوار تھا۔

ناراض کیوں ہوتے ہو دوست میں نے تو صرف اس لئے پوچھا تھا کہ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔

روپا کا لہجہ اب بھی دوستانہ تھا وہ شاید ان کی بہادری سے بے حد

متاثر معلوم ہوتا تھا ورنہ روپا جیسا غنڈہ اور کسی سے دب کر بات کرے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں بتاؤں آلوؤں کی بھیا کی ترکیب معلوم کرنی تھی۔

عمران نے ٹوپی سر سے اتار کر میز پہ رکھتے ہوئے کہا۔

اور روپا ہنس پڑا

اور پھر عمران سے مخاطب ہو کر بولا۔

نوجوان تم واقعی ملا ٹیگر ہو آج تک میرے نشانہ سے کوئی نہیں بچ سکا تھا لیکن تم نے جس پھرتی اور چستی کا مظاہرہ کیا ہے اس کے متعلق میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

چلو اچھا ہے اب تو تصور با آسانی کر سکتے ہو۔

عمران نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

بکواس مت کرو ٹائیگر۔

کیپٹن شکیل نے عمران کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اور عمران نے روپا کو آنکھ مار کر سر جھکا لیا لیکن جوزف کے چہرے پہ ناگواری کے اثرات صاف نمایاں تھے اسے کیپٹن شکیل کا اس انداز میں ڈانٹنا بہت برا لگا تھا لیکن چونکہ آرڈر خود عمران کے تھے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا ورنہ وہ کیپٹن شکیل کے مقابلے میں آنے سے گریز نہ کرتا

دیکھو روپا ہم جام نگر سے یہاں اس لئے آئے ہیں کہ اب جام نگر اونچے درجے کے غنڈوں کے لئے چھوٹا ہوگیا ہے وہاں اب معمولی معمولی کام ملتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اونچا کام ہو۔ تمہاری شہرت سنی تھی سوچا چلو جا کر مل آئیں لیکن تمہارے غنڈوں کی بے وقوفی سے تمہارے ساتھ ملاقات ان حالات میں ہو رہی ہے

کیپٹن شکیل نے اپنی آمد کی وجوہات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

میرے غنڈوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا ورنہ میں تم میں چھپے ہوئے بہادری کے جوہر کہاں دیکھ سکتا تھا نیز تم لوگ کسی قسم کا کام کر سکتے ہو۔ قتل ، ڈاکہ چوری۔

روپا نے لعزو کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے میز پر زور سے مکا مارتے ہوئے کہا۔

روپا تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اس لئے میں خاموش ہوگیا ورنہ میری توہین کرنے والے اس دنیا میں دوسرا سانس نہیں لے سکتے یہ میرا ریکارڈ ہے تم کیا سمجھتے ہو ہم معمولی غنڈوں میں سے ہیں جو قتل ڈاکہ چوری ہی کر سکتے ہیں۔

تو پھر، روپا کے چہرے پر الجھن آمیز تاثرات تھے۔

ہمیں کوئی اچھی سی پارٹی ملواؤ غیر ملکی ہو تو زیادہ بہتر ہے کیوں کہ وہ معاوضہ معقول دیتے ہیں رقم ایڈوانس لیں گے پھر دیکھو ہم حکومت کا تختہ الٹنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ہوں ۔

روپا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

لیکن فی الحال تو میری نظر میں ایسی کوئی پارٹی نہیں۔

ہوسکتا ہے عنقریب مجھے کوئی ایسا کام مل جائے اس وقت تک۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ لوگ ہمارے بار میں رہیں جیسے ہی کوئی کام ملا میں تمہاری بات چیت کرا دوں گا۔

روپا یہ سن لو کہ آئندہ ایسی بات ہمیں ہرگز نہ کہنا ہم کسی کے دست نگر ہوکر نہیں رہ سکتے اگر تمہارے پاس کام نہیں ہے تو ہم دارالحکومت چلے جاتے ہیں وہیں کام بھی ڈھونڈھ لیں گے۔

ناراض کیوں ہوتے ہو میرے دوست میرا مقصد تمہاری توہین نہیں تھی۔ بلکہ میں نے تو ایک خاص دوستانہ پیش کش کی تھی۔ ویسے کام تو میرے پاس ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ کام بہت اونچا ہے یہ ٹھیک ہے کہ میں نے آپ لوگوں کی بہادری دیکھ لی ہے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ ایک تو آپ مجھ سے غداری نہیں کریں گے دوسرا آپ لوگ وہ

کام نپٹالیں گے۔

دیکھو روپا جہاں تک غداری کا تعلق ہے تم اس کا تصور بھی ذہن میں نہ لاؤ جس سے ایک دفعہ وعدہ کرلیا اسے ہم مرنے کے بعد بھی نبھائیں گے باقی رہ گیا کام نپٹانا تو ہمارا امتحان لے سکتے ہو لیکن اس امتحان کا بھی تمہیں معاوضہ دینا پڑے گا۔

اوکے پھر آپ لوگ ایک چھوٹے سے امتحان کے لئے تیار رہیں۔

بالکل تم جس وقت چاہو امتحان لے سکتے ہو۔

چلو یہ کام ابھی ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

روپا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور وہ تینوں بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر روپا کے پیچھے پیچھے وہ کمرے سے باہر نکل آئے۔





سپرنٹنڈنٹ فیاض بڑی پھرتی سے جھک
گیا ورنہ آج اس کا نام بھی شہیدوں
کی لسٹ میں لکھا جا چکا ہوتا فائر
ضرور سائیلنسر لگی رائفل سے کیا گیا تھا
اس لئے ایک ہلکی سی زوں کے علاوہ
اور کوئی آواز سنائی نہ دی یہ بھی
ایک اتفاق تھا کہ ہوٹل سے باہر نکلتے
ہی سپرنٹنڈنٹ فیاض کی نظر اچانک
سامنے والی بلڈنگ کی طرف اٹھ گئی اور پھر

اسے رائفل نظر آگئی، اس سے پہلے کہ دوسرا فائر ہوتا سپرنٹنڈنٹ فیاض لپک کر ایک کھمبے کی آڑ میں ہو گیا، لیکن دوسرا فائر نہ ہوا اور رائفل بھی غائب ہو گئی۔ غصے سے سپرنٹنڈنٹ فیاض کا برا حال تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا ورنہ اس کی خواہش تھی کہ وہ یہیں سے ہاتھ بڑھا کر مجرم کو گردن سے پکڑ لے۔ چند لمحے وہ انتظار کرتا رہا پھر بھاگتا ہوا اپنی کار کے نزدیک پہنچا اور چند لمحے بعد اس کی کار تیزی سے کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔ سامنے والی بلڈنگ کا مین گیٹ ہوٹل کے بالکل سامنے تھا۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور کار کا رخ عمارت کی سائڈ میں جانے والی سڑک کی طرف کر دیا۔ ایک منٹ بعد وہ عمارت کی پچھلی سائڈ میں آگیا۔ یہاں بھی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اس نے ذہانت سے کام لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مجرم مین گیٹ سے نکلنے کی بجائے پچھلے دروازے کو ترجیح دے گا اور یہی ہوا۔ فیاض کی کار جیسے ہی وہاں پہنچی ایک لمبا تڑنگا شخص اوور کوٹ پہنے دروازے سے باہر نکلتا نظر آیا۔ اس کی حرکت سے بے چینی نمایاں تھی۔

فیاض فوراً سمجھ گیا کہ اس کا ملزم یہی ہے۔ اس کو خیال آیا کہ نیچے اتر کر فوراً اس کی پٹائی شروع کر دے لیکن آج کل اس کا دماغ ذرا تیز چل رہا تھا۔ اس نے پہلا خیال ترک کر کے اس کے تعاقب کی ٹھانی۔ اس لئے

وہ کار میں بیٹھا اس کو دیکھتا رہا وہ شخص تیز تیز قدم اٹھاتا سڑک پار کر گیا اور پھر اس نے سائڈ میں لگی ہوئی ایک لمبی چوڑی کار کا دروازہ کھولا اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ فیاض کی کار بھی پیچھے تھی۔ آگے جانے والی کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی دارالحکومت کے مشہور ترین ہوٹل خیام کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔ فیاض بھی اپنی کار کمپاؤنڈ میں لیتا چلا گیا جب اس نے کار پارکنگ شیڈ میں روکی تو وہ شخص کار سے اتر کر ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

فیاض نے جلدی سے کار لاک کی اور پھر وہ بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا اس نے ایک نظر ہال میں ڈالی سامنے ایک کرسی پر اس کا مطلوبہ آدمی بڑے اطمینان سے پائپ پی رہا تھا اس کا اطمینان دیکھ کر فیاض کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

دیکھو کس آرام سے بیٹھا پائپ پی رہا ہے اگر مجھے گولی لگ جاتی تو یہ اور بھی اطمینان سے پائپ پیتا۔ اس آدمی کے اطمینان نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اب غصہ فیاض کی برداشت سے باہر ہو گیا اس نے تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ دیں اب وہ براہِ راست اس سے نپٹنا چاہتا تھا اس لئے وہ تیر کی طرح اس آدمی کی طرف بڑھا اس کے پاس آ کر وہ رک گیا اس آدمی کے چہرے پر فیاض کو دیکھ کر ناگواری شکنیں نمودار

ہوئیں۔ لیکن فیاض نے اسے بات کرنے کا بھی موقع نہ دیا۔ اس نے اپنی جیب سے سروس ریوالور نکال کر اس کا رخ اس آدمی کی طرف کر دیا۔

چلو میرے ساتھ۔

فیاض نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا۔

ریوالور دیکھ کر اس آدمی نے تعجب سے آنکھیں جھپکائیں پھر حیرت سے بولا۔

کون ہو تم؟

تمہاری موت۔

سوپر فیاض نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

کیا مطلب۔

مطلب کے بچے ابھی مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ اب مطلب پوچھ رہے ہو۔

فیاض کا غصہ پورے عروج پر تھا۔

ریوالور دیکھ کر ہال [illegible] افراتفری مچ گئی تھی۔

کیا تم پاگل ہو!

اس آدمی کو بھی اب غصہ آگیا تھا۔

ویسے تو شکل وصورت سے کافی معزز معلوم ہو رہا تھا۔

میں کہتا ہوں سیدھی طرح میرے ساتھ چلو ورنہ میں گولی مار دوں گا

اتنے میں منیجر بھاگتا ہوا فیاض کے پاس پہنچ گیا ورنہ فیاض سے اچھی طرح واقف تھا۔

آخر تم ہو کیا بلا۔

اب وہ شخص کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اور فیاض نے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر میز پر پھینک دیا۔

اس نے ایک لمحے کے لئے کارڈ کو دیکھا اس کی نظروں میں تعجب کے آثار اور بھی زیادہ نمایاں ہو گئے۔

لیکن محکمہ خفیہ کو میری کیا ضرورت پڑ گئی۔

اس نے بدستور تعجب سے پوچھا۔

منیجر بھی حیرت سے کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

تم نے مجھ پر گولی کیوں چلائی تھی۔

سوپر فیاض نے وضاحت کی۔

تم بھنگ تو نہیں پی گئے مجھے کیا ضرورت تھی تم پر گولی چلانے کی اور اگر تم انٹیلی جنس کے سپرنٹنڈنٹ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم شریف شہریوں کو پریشان کرتے پھرو۔

اس نے انتہائی غصے سے کہا۔

یہ سب کچھ میں اپنے دفتر میں چل کر بتاؤں گا۔

تم جانتے ہو میں کون ہوں؟

اس نے غصے سے کہا۔

تم صوبے کے گورنر لگے ہوئے ہو۔ فیاض نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

تمہاری شامت آئی ہے۔

اس نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے منیجر کو ٹیلیفون سیٹ میز پر لانے کو کہا۔

اس ہوٹل میں یہ انتظام تھا کہ گاہکوں کو میز سے اٹھ کر کاؤنٹر پہ ٹیلیفون کرنے کے لئے نہ جانا پڑتا۔ بلکہ ٹیلیفون خود ہی میز پہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ منیجر کے اشارے پہ ایک بیرہ پھرتی سے ٹیلیفون میز پہ لے آیا۔ اس نے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔

یہ تم کسے فون کر رہے ہو؟ فیاض نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔

سر رحمان کو۔

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اور فیاض کو یوں محسوس ہوا جیسے بم پھٹ پڑا ہو۔ تو کیا یہ ملزم نہیں

مجھ سے غلطی ہوئی اور پھر یہ سر رحمان کا واقف ہے تو اس کی صحیح معنوں میں شامت آگئی۔

اتنے میں اس نے بات کرنی شروع کر دی۔

ہیلو سر رحمان میں رانا بول رہا ہوں۔

جی ہاں۔

اور پھر اس نے ہوٹل میں پیش آنے والا سارا واقعہ فون پر بتا دیا۔ چند لمحے وہ رسیور کانوں سے لگائے سنتا رہا اور پھر رسیور فیاض کی طرف بڑھا دیا۔

فیاض نے مردہ ہاتھوں سے رسیور لے کر کانوں سے لگا لیا۔

جی میں فیاض بول رہا ہوں اس نے کہا۔

فیاض کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تم نے میرے ہوٹل میں سر مختار رانا پر ریوالور کیوں نکال لیا۔ جانتے ہو وہ کون ہے قومی اسمبلی کا ممبر اور صدر مملکت کا خاص الخاص دوست۔

سر رحمان کی غصے سے بھری ہوئی آواز آئی۔

اور پھر فیاض کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اس سے بات کرنی مشکل ہو گئی تھی۔ جو صورتحال پیدا ہو گئی تھی اس نے واقعی اسے پاگل کر دیا تھا۔

سر سر ہوٹل ڈی لکس کے سامنے والی بلڈنگ سے انہوں نے مجھ پر رائفل سے گولی چلائی تھی۔

اس نے بڑی مشکل سے صورت واضح کی۔

نان سنس۔

تم مجرم کو پکڑنے کی بجائے سر رانا کے پیچھے پڑ گئے۔ فوراً ان سے معافی مانگو۔ اور میرے پاس پہنچو۔ اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

فیاض نے جھٹکے سے رسیور کریڈل پر رکھ دیا اور مرے مرے لہجے میں سر رانا سے کہا۔

میں معافی چاہتا ہوں جناب مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی۔

آئندہ آدمی دیکھ کر ہاتھ ڈالا کرو مسٹر سپرنٹنڈنٹ۔

سر رانا نے انتہائی تلخی سے کہا۔

اور فیاض کا جی چاہا کہ یا تو خود کشی کرے یا زمین پھٹے اور وہ زمین میں سما جائے۔

اس کی بر سرِ عام اتنی زبردست بے عزتی آج تک نہیں ہوئی تھی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اس

پر قہقہے لگا رہے ہیں۔

ہوٹل سے باہر آ کر اس نے کار سٹارٹ کی اسے ایک دفعہ خیال آیا۔ کہ اس بلڈنگ کی تلاشی لیتا جائے لیکن اس نے سوچا اب وہاں کیا رکھا ہوگا اونہہ وہ غصے سے آنکھیں سرخ کئے اندھا دھند کار چلاتا سر رحمان کی طرف چل پڑا۔





ایم اے ساجد کے زیر طبع سلور جوبلی نمبر جاسوسی ناول

ایکسٹو کا راز

کی ایک جھلک

عمران اینڈ اسکی ٹیم کا شاندار کارنامہ

عمران صاحب کو اب تک آجانا چاہیئے تھا۔

ہاں صفدر! انہیں گئے کافی دیر ہو چکی ہے اب تو دس بج رہے ہیں واثق نے اپنی رسٹ واچ پر دیکھ کر پرتشویش لہجے میں کہا۔

خدا خیر کرے۔ صفدر پلنگ پر دراز وارثی کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا وارثی شاید ابھی تک عارضیا کے انجکشن کے زیر اثر سو رہا تھا۔

وہ تینوں اس وقت ایک ہی کمرے میں موجود تھے وارثی تو حالات سے بے خبر ایک عرصے کے بعد اطمینان اور چین کی نیند سو رہا تھا۔ مگر صفدر اور شاہدہ کی آنکھوں سے پریشانی مترشح تھی وہ دونوں عمران کی طرف سے متفکر تھے۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے جب وہ ڈاکٹر اے جے ہر واس کی کوٹھی سے واپس ہوئے تھے ڈاکٹر کا بے ہوش جسم بھی ان کے ساتھ ہی تھا واپس پہنچ کر عمران ایک مرتبہ پھر میک اپ کر کے کہیں چل دیا تھا جاتے ہوئے وہ ظفر کو کافی دیر تک سرگوشیوں میں کچھ سمجھاتا رہا تھا۔

صفدر نے عمران سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے مگر اس نے اوٹ پٹانگ ہانکنی شروع کر دی تھی۔ جس کے بعد پھر اسے کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی مگر تاہم ظفر نے انہیں تمام باتوں سے آگاہ کر دیا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ بھی انہیں ڈاکٹر کی کڑی نگرانی کی ہدایت کر کے وہاں سے چل دیا تھا جسے انہوں نے ایک دوسرے کمرے میں بند کر دیا تھا۔

انہیں گئے تقریباً پانچ گھنٹے گزر چکے تھے ظفر کی تو فوراً لوٹنے کی امید ہی نہ تھی کیوں کہ عمران نے اسے جس مقصد کے لیے بھیجا تھا وہ چند گھنٹوں کا کام نہ تھا مگر ظفر کے مطابق عمران کو جلد ہی واپس لوٹ آنا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی آمد کے کوئی آثار نہ تھے صفدر اور رانی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی ان کے دل میں طرح طرح کے وہم اور وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔

اچانک وہ دونوں چونک پڑے ان کے چونکنے کی وجہ وارثی ہی تھا۔ جس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھیں شاید وہ اپنی نیند پوری کر چکا تھا کیوں کہ وہ کافی تازہ دم اور ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا آنکھوں سے سکون اور تازگی مترشح تھی۔

اب کیسی طبیعت ہے وارثی بھیا۔ رانی کے لہجے میں ایک بہن ہی کی سی محبت اور حلاوت تھی۔

اب تو کافی تازگی محسوس کر رہا ہوں بھابی وارثی نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے جواب دیا۔ کہیے صفدر صاحب آپ اب کیسے ہیں۔؟

اچھا ہوں درست! دونوں بازوؤں میں زخموں کی ذرا تکلیف ہے صفدر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

ظفر جیسے پیارے بھائی اور رانی جیسی محبت کرنے والی بھابی کے ہوتے ہوئے کوئی زخم زیادہ دنوں تک زخم نہیں رہ سکتا وارثی نے پیار بھرے انداز سے رانی کی طرف دیکھتے ہوئے خوشدلی کا مظاہرہ کیا اور اس نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں۔

اس میں کیا شک ہے۔ صفدر مسکرایا۔

ارے ہاں! یہ دوسرے لوگ دکھائی نہیں دے رہے وارثی نے

ادہر ادہر دیکھ کر پوچھا صفدر نے اسے تمام صورتحال سمجھانی شروع کردی اور رالی اٹھ کر چائے تیار کرنے لگی۔

اوہ تو گویا عمران صاحب اور آپ کرنل چندر گپتا ہی کے پیچھے یہاں آئے ہیں وارثی نے کہا۔

اس سے پہلے کہ صفدر کوئی جواب دیتا دروازہ کھلا اور وہ چونک کر ادھر ادھر متوجہ ہو گئے دروازے کے عین وسط میں عمران کھڑا تھا چندھیائی ہوئی نگاہوں سے فرداً فرداً تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

آیئے.... آیئے عالی جاہ! درباری حضور کے منتظر ہیں صفدر اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کسی زرخیز غلام ہی کی طرح کورنش بجالایا عمران بھی کسی نواب ہی کے انداز میں اکڑتا، پروقار انداز میں چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

ہمارے جانثار غلام کیا چاہتے ہیں؟ اس نے آواز کو بھاری بنا کر کسی ریاستی نواب ہی کی طرح مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

سرکار جان کی امان پاؤں تو کچھ پوچھوں؟ صفدر نے گردن کو خم دیا رالی اور وارثی بھی اس ناٹک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

امان دی گئی.... پوچھو؟ عمران نے بے نیازی سے کہا۔

سرکار آتنی دیر کہاں رہے۔

اے نادان اور کم عقل انسان! تو نے پوچھ ہی لیا ہے تو سن........ آج ہم نے راج پاٹ چھوڑ کر ریاست کی سیر کی ٹھان لی تھی سو صبح سے سڑکوں پر آلو گوشت کرتے پھر رہے ہیں.... اوہ.... میرا مطلب ہے بھیجا گوشت.... اد.... اد.... نہیں.... یعنی مٹر گوشت.... یہ بھی نہیں.... دھت

تیرے کی کم بخت سلیمان! عمران نے اس انداز میں ماتھے پر ہاتھ مارا جیسے کوئی لفظ ذہن سے تو موجود ہو مگر زبان پہ نہ آ رہا ہو۔ صفدر، وارثی اور رانی تو ہنستے ہنستے بے حال ہو رہے تھے۔

مٹر گشت۔ رانی نے لقمہ دیا۔

ہاں ہاں۔ تو ہم مٹر گوشت پکا رہے تھے۔ ار... نہیں... یعنی کہ مٹر گشت کر رہے تھے۔

عمران صاحب آپ کی یادداشت کافی خراب ہو چکی ہے وارثی نے ہنستے ہوئے پہلی مرتبہ اسے مخاطب کیا۔

ارے ہائیں! مسٹر پارسی تم بھی موجود ہو؟ عمران نے ایسے کہا جیسے پہلی مرتبہ اسے مخاطب کیا ہو۔ رانی اور صفدر وارثی کا حلیہ بگڑتے دیکھ کر قہقہے لگانے لگے معاف کیجئے گا عمران صاحب! خادم کو پارسی نہیں وارثی کہتے ہیں

اوہ! عمران نے گدی پر ہاتھ مارا یہ مرض بھی جان نہیں چھوڑے گا بقول کنفیوشش مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

غلط بالکل غلط یہ تو غالب کا شعر ہے رانی مسکرائی۔

تو پھر کنفیوشش نے اس پر ریسرچ کی ہو گی عمران ایک صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ تم یہ بتاؤ وارثی کہ اب کیسے ہو؟

کمزوری محسوس ہوتی ہے۔

اور مسٹر صفدر آپ کے زخم کیسے ہیں؟

بینڈیج کر رکھی ہے ورنہ کھول کر دیکھ لیتا صفدر مسکراتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا

رانی چائے بنا کر انہیں سرو کرنے لگی۔

ارے عمران بھائی! یہ آپ کے چہرے پر کیا ہوا رانی نے چائے سرو کرتے

ہوئے اس کے بگڑے ہوئے چوکھٹے کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا صفدر اور وارثی کو بھی پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ اس کے چہرے پر دو تین جگہ ورم ہے۔ جو کچھ ہوا ہے عمران نے آستین الٹ کر بازو کی ایک خراش دکھائی۔

یہاں کیا ہوا ہے؟

جو کچھ ہوا ہے! عمران نے کمر سے قمیض اٹھا کر ایک اور خراش دکھائی اور یہاں کیا ہوا ہے رانی مسکرائی۔

جو کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

کیا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جو کچھ ہوا ہے عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا اور تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اچھا بھئی اب مذاق چھوڑیئے عمران صاحب۔ صفدر نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ آپ یہ بتائیے کہ کس طرح وہ سفیر کی کوٹھی سے نکلا پھر ملٹری سے ٹکراؤ ہو گیا۔ وہاں سے بچ کر بھاگا تو ایک پرانا دوست سمبول مل گیا جس نے اسے ملٹری کے ہاتھوں سے بچایا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اس سازش کے اتفاق کا علم ہو گیا۔ اس کے خاموش ہونے پر صفدر نے کہا۔ وہ تو ظاہر ہونا ہی تھا عمران نے جواب دیا۔ حکومت کے گماشتوں کی تو جان سوا ہو رہی ہو گی رانی نے خیال ظاہر کیا۔ واقعی ایک افراتفری سی مچ رہی ہو گی وارثی کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس سچوئیشن کا تصور کر کے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ اور یہ افراتفری اور ہلچل ہماری کامیابی کے لئے سودمند ہے پیارے عمران نے وارثی سے کہا۔ وہ کس طرح؟

عمران اسے سمجھانے لگا کہ کس طرح وہ اس افراتفری اور بے چینی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ واللہ کیا شیطانی چال ہے وارثی نے داد آمیز لہجے میں کہا۔ شیطانی نہیں بھیا عمرانی چال کہو یہ اس کھوپڑی کی پیداوار ہے۔ رانی نے مسکراتے ہوئے عمران کے سر کی طرف اشارہ کیا صفدر اور وارثی بھی مسکرا پڑے اور عمران نے اس تعریف

پر باچھیں پھیلادیں۔ اچھا عمران صاحب ایک بات بتائیے یکدم صفدر بولا جب ہم میلون میں داخل ہوئے تھے اور ٹیکسی سے اتر کر گرد تھے تو گارڈن کی طرف جا رہے تھے تو آپ اس کار والے کے پرس سے ایک سیاہ کارڈ نکال کر دیکھ رہے تھے اور پھر اسے دیکھ کر چونک بھی پڑے تھے آخر اس کی کیا اہمیت تھی؟

میاں صفدر۔ مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی فرصت ملی تم یہ سوال ضرور کرو گے عمران نے ہنس کر تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ [illegible] ہمیں گھیر لیا تھا تو میں حیرت زدہ رہ گیا کہ آخر انہیں ہماری بابت کیسے علم ہوا جبکہ ہم نے ایسی کوئی حرکت نہ کی تھی جس سے وہ باخبر ہو جاتے ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لئے جب میں نے کار والے شخص کے پرس سے رقم نکالی تو اس میں سے وہ بلیک کارڈ نکلا [illegible] اور [illegible] اصل یہاں کی سیکرٹ سروس کا شناختی کارڈ تھا جس پر سیکرٹ سروس کا خفیہ [illegible] پروگرام بنا ہوا تھا۔

اوہ تو گویا وہ شخص۔ صفدر نے [illegible] کہنا چاہا مگر عمران نے اس کی بات کاٹ دی

ہاں وہ شخص جسے ہم نے لاعلمی میں ڈھیر کیا تھا سیکرٹ سروس ہی کا کوئی رکن تھا یقیناً اس کی کار میں ٹرانسمیٹر بھی لگا ہوگا جیسے شاید اس نے خطرے کو بھانپ کر آن کر دیا ہوگا۔ اور یہ ہماری گفتگو دوسری طرف سن لی گئی اور لیوں میں سے اندازہ لگایا کہ ملٹری ہمیں گھیرنے کے لئے اچانک وہاں کیسے پہنچ گئی۔

اب سمجھا صفدر نے سر ہلا دیا نائلہ اور وارثی دلچسپی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

اچانک عمران کو اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی پر رسٹ واچ کے نیچے ہلکی سی حرارت محسوس ہوئی۔ عمران وہاں سے اٹھ گیا۔

ارے آپ کہاں چل دیئے وارثی نے اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

مم.... میں.... ذرا لیٹرین.... عمران پیٹ کو دبا کر باتھ روم کی طرف چل پڑا۔

باتھ روم کا دروازہ اندر سے بند کر کے اس نے رسٹ واچ کی چابی باہر کھینچ لی۔

اور دونوں سوئیوں کو بارہ کے ہندسے پر سیٹ کر دیا گھڑی پر تمین کا ہندسہ جگمگانے لگا۔
لیس عمران سپیکنگ۔ اوور وہ رسٹ واچ منہ کے قریب لے جا کر بولا۔
ظفر دس اینڈ۔ اوور۔ دوسری جانب ظفر تھا عمران نے اس کی آواز پہچان لی تھی
کہو ظفر کامیابی ہو؟ اوور۔ یعنی صد عمران صاحب اس کی آواز میں دبا دبا جوش تھا
وری گڈ۔ اور کوئی نئی بات ؟ اوور۔ ہاں ایک نئی خبر ہے۔ اوور۔
کہیے جاؤ میں سن رہا ہوں اوور۔ عمران کو تمہید سے شدید الجھن تھی چندر گپتا نے
آج رات ایک ایمرجنسی میٹنگ کال کی ہے صدر مملکت، وزیر داخلہ۔ وزیر خزانہ اور چندر
گپتا کے علاوہ اور دونوں شعبوں کے فرسٹ سیکرٹری بھی شریک ہو رہے ہیں۔ اوور۔
بہت خوب۔ عمران نے داد دی۔ تمہیں کیسے علم ہوا ؟ اوور۔
فرسٹ سیکرٹری چندر گپتا سے فون پر باتیں کر رہا تھا میں سننے میں کامیاب ہو گیا اوور
تو پھر اپریشن آج ہی رات ہو گا تمام باتوں کا تمہیں علم ہے نا ؟
جی ہاں ...... اوور۔
عمران اسے آپریشن سے متعلق تمام کوائف ایک بار پھر سمجھانے لگا۔
آل اگرائٹ عمران صاحب۔ اوور۔
خدا حافظ..... اوور اینڈ آل۔ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر اس نے
وقت ٹھیک کر کے چابی کو اندر دبا دیا۔ اور بیسن پر ہاتھ گیلے کر کے باہر نکل گیا۔
اتنی دیر۔ وارثی نے اسے باتھ روم سے نکلتے دیکھ کر پوچھا۔
کیا بتاؤں یار وارثی۔ اس کم بخت سمیل نے کھانے میں نہ جانے کیا ملا رکھا تھا
بار بار حاجت ہونے لگی ہے عمران نے رومال سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے بڑے
معصومانہ انداز میں کہا۔
لاحول ولا....... ! صفدر نے بُرا سا منہ بنایا۔

اور عمران.... وہ تو کسی چھلاوے ہی کی طرح باپ رے باپ کا نعرہ لگاتا ہوا کمرے سے نکل بھاگا تھا جیسے صفدر نے لاحول شیطان کے لئے نہیں بلکہ عمران کو بھگانے کے لئے پڑھی ہو۔

تینوں نے حیرانی سے دروازے کی طرف دیکھا پھر شاید وہ عمران کی شرارت کو جان گئے کیونکہ تینوں نے بیک وقت نعرہ لگایا تھا۔

عمران وہاں سے نکل کر سیدھا اپنے کمرے میں پہنچا تھا۔ در اصل وہ تنہائی میں بیٹھ کر کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ وہ ٹانگیں پسار کر صوفے پر جم گیا۔

اب اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو یقیناً اس پر سنجیدگی کے معنی پوری طرح واضح ہو جاتے۔

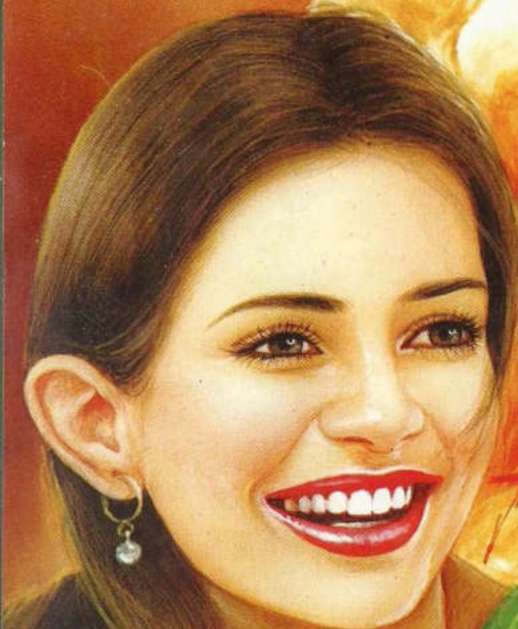
وہ آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہا تھا۔

اس کا ذہن بڑی تیزی سے آئندہ کے پروگرام کے بارے میں سکیم بنا رہا تھا اٹامک ویپنز کے فارمولے کی اصلی فائل تو وہ ڈاکٹر اے بی جے بیرداس سے حاصل کر چکا تھا مگر اسے شک تھا کہ کمیٹی کے دوسرے ارکان بھی ایک ایک۔ کاپی ضرور رکھتے ہوں گے اسے ان سے یہ کاپیاں بھی حاصل کرنا تھیں اور فائل ہے۔ G کا بھی ابھی کچھ پتہ چل نہیں رہا تھا۔ وہ سوچتا رہا.......!



عمران سیریز

سابولیٹ آگر



مظہر کلیم ایم اے

عمران سیریز

سابولیٹ آگر

مکمل ناول

مظہر کلیم ایم اے

کتب ملنے کا پتہ
یوسف برادرز
الحمد مارکیٹ
اردو بازار
لاہور
Mob:0300-9401919

اس ناول کے تمام نام، مقام، کردار، واقعات اور پیش کردہ سچویشنز قطعی فرضی ہیں۔ کسی قسم کی جزوی یا کلی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی جس کے لئے پبلشرز، مصنف پرنٹرز قطعی ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

ناشر ——— محمد یوسف قریشی
اہتمام ——— محمد بلال قریشی
قانونی مشیران ——— غلام مصطفےٰ قریشی ملتان
——— ملک محمد اشرف لاہور
طابع ——— پرنٹ یارڈ پرنٹرز لاہور
قیمت ——— -/50 روپے



چند باتیں

محترم قارئین۔ سلام مسنون! ''سابولیٹ آگر'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کہانی آپ کو پسند آئے گی۔ اس لئے آپ چند باتیں پڑھنے کی بجائے کہانی پڑھنے کے لیے بے چین ہوں گے لیکن قارئین کے خطوط بھی کم دلچسپ نہیں ہوتے۔

جہلم سے محمد احسان شاہد صاحب لکھتے ہیں۔ ''کسی ناول میں عمران اور جولیا کی تصویریں ضرور شائع کریں تاکہ راہ چلتے اگر ان سے ملاقات ہو جائے تو کم از کم میں انہیں پہچان تو سکوں کہ یہ عمران ہے اور یہ جولیا۔ اس لئے درخواست ہے کہ ان کی تصویریں ضرور شائع کریں۔

محمد احسان شاہد صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ سیکرٹ سروس کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ پہچانے نہ جاسکیں۔ ویسے ہم نے بھی کئی بار ان سے یہ درخواست کی ہے لیکن ان دونوں کا جواب یہ ہے کہ جب بھی انہوں نے کوئی خوبصورت میک اپ کیا تو تصویر ضرور بنوائیں گے۔ کیونکہ مسلسل میک اپ کر کے ان کے اصل چہرے کی سکرین بیوٹی خراب ہو گئی ہے لیکن اب آپ خود ہی سوچئے میک اپ میں تصویر شائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ میک اپ میں آپ انہیں پہچان ہی نہیں سکتے۔ اس لئے اگر آپ کو ان سے ملاقات کا شوق

ہے تو بغیر تصویر دیکھے انہیں پہچاننے کی کوشش کیجئے۔ کم از کم عمران کو پہچاننے کے لئے تو تصویر کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔"

چشتیاں سے محمد اکرم کمانڈو، خالد محمود ریمبو اور طارق جاوید بروس صاحبان نے لکھا ہے۔ "آپ کے ناول ہمیں بے حد پسند آتے ہیں۔ اتنے پسند آتے ہیں کہ ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ ہم بھی عمران بن جائیں تاکہ اپنے ملک پاکستان کے دشمنوں سے لڑ سکیں۔"

محمد اکرم کمانڈو، خالد محمود ریمبو اور طارق جاوید بروس صاحبان! آپ کا پاکستان کے دشمنوں سے لڑنے کا جذبہ انتہائی قابل قدر ہے لیکن اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ آپ پہلے عمران بنیں تب لڑیں۔ ویسے بھی عمران نہیں لڑتا۔ اس کا جذبہ لڑتا ہے اور آپ کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ میں بھی جذبے کی کمی نہیں ہے۔ اس لئے ابھی سے بسم اللہ کر دیجئے لیکن اگر آپ واقعی عمران بننا چاہتے ہیں تو پھر ہنوز دلی دور است والا معاملہ ہے۔ ابھی تو آپ کمانڈو، ریمبو اور بروس بننے کے چکر میں ہیں۔ عمران کا مقام تو ان سے بہت اونچا ہے۔"

اب اجازت دیجئے۔

والسلام
مظہر کلیم۔ ایم اے

بلیک زیرو آج کل بے حد مصروف تھا کیونکہ عمران دارالحکومت سے باہر تھا اور دارالحکومت میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔

وزارت خارجہ کی ایک اہم ترین فائل چوری ہو چکی تھی اور مجرموں کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ اعلی سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ سر سلطان اور سر رحمان سے لے کر پریذیڈنٹ تک سب بے چین تھے۔ تمام محکموں کی نظریں ایکسٹو پر لگی ہوئی تھیں۔ ایکسٹو نے بھی وعدہ کیا ہوا تھا۔ عمران ایک ممکنہ سراغ پر کوشش کر رہا تھا جو غلط بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ بلیک زیرو نے اپنے ماتحت شہر میں پھیلا دیئے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کی رپورٹیں اس تک پہنچ رہی تھیں۔ ابھی تک کوئی قابل ذکر رپورٹ اس تک نہیں آئی تھی جسے وہ بنیاد بنا کر لائن آف ایکشن لیتا۔ اس وقت بھی وہ ٹیلی فون کے پاس بیٹھا انتہائی بے چینی سے صفدر کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔ صفدر کو اس نے وزارتِ خارجہ کے دفتر میں سر

سلطان سے کہہ کر بھرتی کروایا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں فائل کا زبردست سائنٹیفک انتظام کیا گیا تھا لیکن مجرم ہر انتظام کا توڑ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ وہ ان کی بدقسمتی تھی کہ وہ جلد بازی میں آخری لمحے میں مار کھا گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور مجرم فائل لے کر چلتے بنے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس فائل کے انتظامات کا راز دفتر خارجہ سے ہی افشا ہوا تھا اس کی دو صورتیں ممکن ہو سکتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ دفتر کا کوئی ملازم مجرموں کا ساتھی ہے یا مجرموں کو دفتر کے کسی ملازم کا ساتھ حاصل ہے۔ اس چیز کا پتہ چلانے کے لئے اس نے سر سلطان سے کہہ کر صفدر کو وزارتِ خارجہ میں سیکنڈ آفیسر بھرتی کروایا تھا۔

صفدر کی ذہانت سے امید تھی کہ وہ بہت جلد یہ معلوم کر لے گا کہ کیا صورت حال ہے۔

اچانک فون کی گھنٹی زور سے بجی اور بلیک زیرو نے چند لمحے رک کر رسیور اٹھا لیا۔

''ایکسٹو۔''

بلیک زیرو کی مخصوص آواز فضا میں گونجی

''میں صفدر بول رہا ہوں جناب۔''

صفدر کی آواز آئی۔

''کیا بات ہے۔'' ؟

جناب جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔ مجھے دفتر کا ایک آدمی مشکوک نظر آتا ہے۔

کون؟

سر ریکارڈ روم آفیسر مسٹر مظفر محمود

تمہیں کیا بات مشکوک معلوم ہوتی ہے؟

سر آج لنچ ٹائم کے دوران ایک غیر ملکی اس سے ملنے آیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ اس کی آمد سے مسٹر مظفر محمود کچھ بے چین سے ہوگئے۔ انھوں نے فورا چاروں طرف اس انداز سے دیکھا جیسے معلوم کر رہے ہوں کہ ان کی طرف کوئی متوجہ تو نہیں۔ میں کھٹک گیا چنانچہ میں ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگیا۔ مسٹر محمود اسے لے کر گیسٹ ہاؤس کے ایک کونے میں چلے گئے۔ پھر دونوں نے آہستہ آہستہ باتیں کرنا شروع کردیں۔ میں اُٹھ کر باہر برآمدے میں آگیا تاکہ جب وہ غیر ملکی گزرے تو میں اس غیر ملکی کا چہرہ بغور دیکھ سکوں۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ غیر ملکی گیسٹ ہاؤس سے باہر نکلا وہ جب میرے پاس سے گزرا تو میں نے نوٹ کیا جیسے وہ میک اپ میں ہے یہ ٹھیک ہے اس کا میک اپ بہترین تھا لیکن میری نگاہوں سے وہ چھپ نہ سکا وہ ڈاکٹر اڈگر تھا وہ گیٹ سے باہر چلا گیا چونکہ میں ڈیوٹی پر تھا اس لئے بغیر اجازت دفتر سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔

ورنہ میں کم از کم اُسکی کار کا نمبر ضرور نوٹ کر لیتا باقی ٹائم میں مسٹر مظفر محمود کو چیک کرتا رہا۔ میں نے نوٹ کیا وہ کچھ بے چین سے ہیں۔ وہ اپنی بے چینی اور پریشانی کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ایسا کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ آفس ٹائم ختم

ہوتے ہی وہ دفتر سے باہر چل دیئے۔ میں نے ان کا تعاقب کیا پہلے تو وہ سیدھے اپنی کوٹھی ۲۲ کریسنٹ روڈ پر گئے آدھا گھنٹہ وہاں گزارنے کے بعد ان کی کار باہر نکلی پھر وہ وہاں سے سیدھے ہوٹل خیام میں پہنچے۔ اس وقت وہ ہال میں موجود ہیں اور میں ہوٹل سے باہر ایک پبلک بوتھ سے آپ کو رپورٹ دے رہا ہوں۔

''ویری گڈ۔'' ــــــ صفدر تم میری امیدوں پر پورے اترے۔ تمہاری رپورٹ بہت اہم ہے تم نے آفس میک اپ میں اٹینڈ کیا تھا۔

''جی ہاں۔'' ــــــ صفدر نے جواب دیا۔

''تو ایسا کرو میک اپ بدل کر ہال میں جاؤ اور مظفر محمود کی نگرانی کرو۔ میرا خیال ہے مسٹر مظفر محمود وہاں ڈاکٹر اڈگر کے انتظار میں گئے ہیں۔ میں تنویر کو بھی وہاں بھیج دیتا ہوں جو تم سے الگ ہو کر اس غیر ملکی کا تعاقب کرے گا اب تم رپورٹ واچ ٹرانسمیٹر پر مجھے دینا۔ اوور اینڈ آل۔'' ــــــ بلیک زیرو نے یہ کہ کر رسیور رکھ دیا۔

صفدر نے واقعی اہم رپورٹ دی تھی کم از کم کوئی لائن آف ایکشن بننے کی صورت تو نظر آئی۔

چند لمحے ٹھہر کر اس نے جولیا کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جولیا نے فوراً رسیور اٹھا لیا۔

''اٹ از جولیا سر۔''

جولیا کی آواز آئی۔

''ایکسٹو۔''

بلیک زیرو نے کہا۔

"یس سر"۔

"جولیا تنویر کی ڈیوٹی فوراً ہوٹل خیام میں لگاؤ وہاں صفدر موجود ہے۔ وہ ایک شخص کا تعاقب کرتا ہوا وہاں گیا ہے۔ اس شخص سے وہاں ایک غیر ملکی ملنے کے لئے آئے گا۔تنویر کو اس کی نگرانی کرنی ہوگی۔اور ڈاکٹر اڈگر کی رپورٹ مجھے ٹرانسمیٹر پر دینی ہوگی۔ وہ صفدر سے وہاں آشنائی ظاہر نہیں کرے گا۔صفدر اسے اشارے سے مطلوبہ غیر ملکی بتا دے گا"۔

"یس سر"۔

"اوکے"۔

بلیک زیرو نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

اسکا پروگرام تھا کہ وہ خود ہوٹل خیام پہنچے اور صورتحال کا اندازہ کرے اس کے لئے اس نے رپورٹ واچ ٹرانسمیٹر پر دینے کا حکم دیا تھا وہ سر پر ہیٹ رکھ کر دانش منزل سے باہر آگیا اور تھوڑی دیر بعد اس کی کار ہوٹل خیام کی طرف بھاگنے لگی۔

عمران ، کیپٹن شکیل اور جوزف روپا بار میں موجود تھے۔ کیپٹن شکیل نے اپنا نام ٹائیگر بتایا تھا اور وہ روپا کے کہنے پر اس سے ملنے آئے تھے۔ روپا انہیں لے کر دفتر سے ملحقہ ایک کمرے میں آیا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ روپا نے وہاں جا کر ایک کونے میں تین بار مخصوص طرز سے دیوار کھٹکھٹائی تو کمرے کا فرش ایک کونے سے ہٹ گیا عمران نے آنکھیں جھپکائیں۔ اسے خفیہ میکنزم کا یہ طریقہ پسند آیا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ'' ——— روپا نے نیچے بنی ہوئی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

اور وہ تینوں اس کے پیچھے چل پڑے۔ دس بارہ سیڑھیاں گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں پہنچ گئے وہاں ایک بہت بڑی سی میز پڑی ہوئی تھی۔ اس کے گرد کافی ساری کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ کوئی میٹنگ روم معلوم ہوتا تھا۔ وہ چاروں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''اچھا مسٹر ٹائیگر میں آپکا ٹیسٹ لینا چاہتا ہوں۔'' ــــــ یہ کہہ کر روپا نے میز کی دراز کھولی اور ایک چھوٹا سا فوٹو نکال کر میز پر رکھ دیا فوٹو دوسری جانب تھا۔ اس آدمی کو گرفتار کرنا ہے۔

''اسکا معاوضہ۔'' ــــــ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

اسکا معاوضہ آپکو ایڈوانس مل جائے گا۔ میرے خیال میں پچاس ہزار کافی ہیں۔

''ٹھیک ہے۔'' ــــــ کیپٹن شکیل نے کہا۔

اور روپا نے وہ فوٹو کیپٹن شکیل کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور غور سے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھنے لگا۔

کیپٹن شکیل نے فوٹو دیکھا۔ وہ فوٹو عمران کا تھا۔ لیکن فوٹو دیکھ کر اس کے چہرے پر کوئی تاثر پیدا نہیں ہوا۔ اس نے لاپرواہی سے فوٹو عمران کی طرف بڑھا دیا۔

عمران اپنا فوٹو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے چونکا پھر لاپرواہ سا بن گیا۔

جوزف نے بھی ایک جھلک عمران کی فوٹو دیکھ لی۔ لیکن وہ بھی چپ بیٹھا رہا۔

''آپ اس شخص کو جانتے ہیں۔'' ــــــ روپا جس نے عمران کو چونکتا دیکھ لیا تھا عمران سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

''جی جی۔ یہ میرے ساتھ بچپن میں گلی ڈنڈا کھیل چکا ہے۔'' عمران دوبارہ اپنی عادت پر آ گیا ہے۔

''کیا مطلب۔'' ــــــ اس بار روپا چونک پڑا۔

''مطلب۔ مطلب صاف ہے۔'' ــــــ عمران نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ کیوں کہ اسے فورا احساس ہوگیا تھا کہ اس وقت پوزیشن نازک ہے روپا کو مشکوک ہونے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہیے۔ لیکن روپا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''مسٹر ٹائیگر کا مطلب ہے وہ اس شخص کو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''کون ہے یہ؟'' ــــــ روپا نے اشتیاق سے سوال کیا۔

''مسٹر روپا اس کا نام علی عمران ہے۔ اور یہ ڈائریکٹر جنرل سپرنٹنڈنٹ کا بیٹا ہے۔ اور کبھی کبھی پولیس کے لئے کام کرتا ہے۔'' شکیل نے جواب دیا۔

''بہت خوب۔ بہت خوب۔'' ــــــ میں آپکی معلومات کی داد دیتا ہوں۔'' ــــــ روپا نے متاثر کرتے ہوئے کہا۔

''اسے کیا کرنا ہے۔ کیا گولی مارنی ہے؟'' ــــــ کیپٹن شکیل نے ایسے لہجے میں پوچھا جیسے کسی مکھی کو پیر تلے کچلنا ہو۔

جوزف کو کیپٹن شکیل کا رویہ ایک بار پھر ناگوار گزرا لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر چپ رہا اس نے تلخی کم کرنے کے لئے برانڈی کی بڑی بوتل نکالی اور کاک اڑا کر اسے منہ سے لگا لیا اس وقت چھوڑا جب وہ پوری طرح خالی ہوگئی۔ اسے کافی دیر سے طلب محسوس ہو رہی تھی۔ روپا اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ جوزف کو اس طرح شراب پیتا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

جوزف نے خالی بوتل فرش پر پھینکتے ہوئے کوٹ کی جیب سے دوسری بوتل نکالی اور چند منٹ بعد اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی بوتل کا ہو چکا تھا۔ روپا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ رہی تھیں۔

"آپ بہت شراب پیتے ہیں۔" ——— اس نے جوزف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسکی بات چھوڑو۔ یہ سارا دن شراب ہی پیتا رہتا ہے۔" عمران نے کہا۔

روپا ایک طویل سانس لیتے ہوئے شکیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مسٹر ٹائیگر۔ یہ شخص ہمارے لئے مدت سے وبال جان بنا ہوا ہے انتہائی چست اور چالاک آدمی ہے۔ کسی صورت میں قابو نہیں آتا۔ اگر آپ اسے زندہ گرفتار کر کے لائیں تو میں آپ کو اس کے شایانِ شان انعام دے سکوں گا۔"

"کیوں نہ اسے گولی مار دی جائے۔" ——— کیپٹن شکیل نے دوبارہ کہا۔

"نہیں میں اسے سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔" ——— روپا نے کہا۔

"او کے مسٹر روپا۔ اسے ہم زندہ گرفتار کر کے آپکے پاس پہنچا دیں گے۔"

کیپٹن شکیل نے روپا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اس کام کو آسان نہ سمجھنا۔"

روپا نے کیپٹن شکیل سے کہا۔

''آپ میری توہین کر رہے ہیں۔یہ کیا چیز ہے آپ کہیں تو میں معقول معاوضہ پر صدر کو بھی گرفتار کر کے لا سکتا ہوں۔''

کیپٹن شکیل نے نخوت سے کہا۔

''اوکے۔ مجھے خوشی ہوگی۔'' ـــــــ روپا نے کہا اور پھر دراز کھول کر نوٹوں کی گڈی نکال کر کیپٹن شکیل کے حوالے کر دی۔

کیپٹن شکیل نے لاپرواہی سے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر اوور کوٹ کی جیب میں ڈال لی۔

''آپ کے لئے کچھ منگواؤں۔''

روپا نے پوچھا۔

''نہیں آپ ہمیں اجازت دیں۔ابھی ہم نے اسے تلاش کرنا ہے۔''

''اوکے۔ وش یو گڈ لک فرینڈز۔'' ـــــــ روپا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور وہ چاروں اٹھ کھڑے ہوئے اور تہہ خانے سے باہر نکل کر اسی کمرے میں آئے اور ایک راہداری سے گزرتے ہوئے کیفے کے مین گیٹ سے باہر آگئے۔

فیاض نے کار دفتر کے آگے روکی اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سر رحمان کے دفتر کی طرف چل دیا۔ سر رحمان اس کے انتظار میں تھے۔جیسے ہی چپڑاسی نے فیاض کی آمد کی اطلاع دی انہوں نے فوراً اندر بلا لیا۔ فیاض نے محسوس کیا کہ سر رحمان کا موڈ بری طرح آف ہے۔انہوں نے فیاض کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔فیاض کرسی پر بیٹھ گیا۔

سر رحمان نے زیر مطالعہ فائل بند کر کے میز کے دراز میں رکھی اور فیاض سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟"

"جناب مجھے شک تھا کہ انہوں نے مجھ پر گولی چلائی تھی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے بھلا سر رانا جیسے معزز آدمی کو کیا ضرورت تھی کہ وہ تم پر گولیاں چلاتا پھرے۔"

فیاض کیا جواب دیتا خاموش رہا۔

"فائرنگ کیس کا کیا بنا۔ میں نے تمہیں ایک ہفتے کا ٹائم دیا تھا میرے خیال میں آج ایک ہفتہ ہوگیا ہے۔"——— سر رحمان نے پوچھا۔

"سر میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں۔"——— فیاض نے آہستگی سے کہا۔

فیاض دیکھو تمہاری سستی کی وجہ سے میرا محکمہ بدنام ہو رہا ہے۔ بہت کم کیس ہم نے حل کیے ہیں۔ میں نے تمہیں ایک ہفتے کا ٹائم اس لیے دیا تھا تاکہ تم ایک ہفتے کے اندر یہ کیس حل کر لو، کیونکہ مجھے شک تھا کہ اگر ایک ہفتے کے اندر کیس حل نہ ہوا تو سیکرٹ سروس میں چلا جائے گا۔ اور وہی ہوا لیکن میں نے بڑی مشکل سے ایک ہفتہ کی مہلت اور لی ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس دوسرے ہفتے میں کیا کرتے ہو۔ یہ سوچ لو کہ اگر ایک ہفتے میں یہ کیس حل نہ ہوا تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ اور میرے ساتھ تمہیں بھی استعفیٰ دینا پڑے گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے چاہے کچھ کرو مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر مجرم چاہیے۔

"بہتر جناب۔"

فیاض نے آہستہ آواز سے کہا۔

"اب جا سکتے ہو۔"——— سر رحمان نے ٹرے سے ایک اور فائل نکالتے ہوئے کہا۔

اور فیاض سیلوٹ کر کے دفتر سے باہر آ گیا۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور پھر کار کا رخ عمران کے فلیٹ کی طرف کر دیا۔

عمران اپنے فلیٹ میں نہیں تھا۔ فیاض کا موڈ بُری طرح آف تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ کیا کرے آجکل عمران بھی غیر حاضر تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ کدھر جائے۔ اسکی کار ادھر اُدھر مختلف سڑکوں پر چکراتی پھر رہی تھی اور وہ کیس کی گتھیاں سلجھانے میں محو تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ایک سبز رنگ کی کار دفتر سے برابر اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ اچانک فیاض کی کار کا رخ ساحل سمندر کی طرف ہوگیا۔ شائد وہ ذہنی یکسوئی کے لئے ساحل سمندر پر کچھ تفریح کرنا چاہتا تھا۔ ساحل سمندر کی طرف جانے والی یہ سڑک عموما سنسان رہتی تھی۔ اچانک فیاض چونک پڑا کیونکہ اسے پیچھے سے ہارن کی آواز سنائی دی۔ سبز رنگ کی کار اسکی گاڑی کے پیچھے تھی۔ اس نے اپنی گاڑی سائیڈ پر کرلی۔ سبز رنگ کی کار تیزی سے اسکی کار کو کراس کرتی ہوئی آگے نکل گئی اور پھر فیاض کو پوری قوت سے بریک لگانے پڑے ورنہ ایکسیڈنٹ نا گزیر تھا۔ کراس کرنے والی کار ترچھی ہو کر سڑک پر رک گئی تھی۔ فیاض کے ذہن میں لفظ ''خطرہ'' ابھرا اس سے پہلے کے وہ کوئی فیصلہ کرتا سبز رنگ کی کار سے دو آدمی ہاتھوں میں ریوالور تھامے بڑی تیزی سے اس کی کار کے قریب آئے اور پھر فیاض کی کار کی دونوں کھڑکیوں سے ریوالور کی نالیں نظر آنے لگیں۔

''نیچے اُترو۔''

ایک آدمی کی بھاری بھرکم آواز آئی۔

''یہ کیا حرکت ہے۔''

فیاض قدرے سنبھل گیا۔

''جلدی کرو نیچے اُترو ورنہ گولی کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔''—— یہ کہہ کر ریوالور برداروں نے کار کا دروازہ جھٹکے سے کھول دیا۔

اب فیاض کے پاس نیچے اترنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ ہاتھ اوپر کیے نیچے اترا اور وہ دونوں اس کو کور کیے ہوئے سبز کار کے قریب لے گئے کار کا دروازہ کھلا اور فیاض ریوالور کے دباؤ کے نتیجے میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے سے پہلے ایک شخص نے اسکے ہولسٹر سے اسکا سروس ریوالور نکال لیا۔

ایک ریوالور والا اس کے قریب بیٹھ گیا اور دوسرا اسکی کار کی طرف بڑھ گیا۔

''آپ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''—— فیاض نے ساتھ والے سے پوچھا۔

''خاموش بیٹھے رہو۔''—— اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

اور فیاض خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ سبز کار تیزی سے چلی۔ اب اسکا رخ شہر کی طرف تھا۔ فیاض نے مڑ کر دیکھا اسکی کار بھی پیچھے آرہی تھی۔ مجرموں کا کوئی ساتھی اسے چلا رہا تھا۔ شہر کے قریب آکر کار رک گئی اور پھر ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولا اور فیاض کو نیچے اترنے کے لیے کہا۔ فیاض جیسے ہی نیچے اترا ڈرائیور نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیئے اور پھر ایک سیاہ پٹی اسکی آنکھوں پر باندھ دی گئی۔

اسے دوبارہ کار میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔فیاض نے سوچا کے شائد شہر میں کسی سپاہی کی نظر اس پر پڑ جائے اور وہ پٹی بندھی دیکھ کر کار کا تعاقب کرے لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اب کار کی کھڑکیوں پر پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔کافی دیر کے بعد کار رکی اور فیاض کو نیچے اتارا گیا ریوالور کا دباؤ ابھی بھی اسکی پسلیوں پر موجود تھا۔ایک شخص اس کا بازو پکڑے اسے مختلف کمروں سے پھراتا ہوا ایک ہال کمرے میں لے گیا۔ وہاں جا کر اسے ایک ستون سے باندھ دیا گیا اور پھر اس کی آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔ جیسے ہی اسکی آنکھوں سے پٹی کھلی اس نے دیکھا کہ وہ ایک ہال کمرے میں ہے جس میں ایک شخص منہ پر نقاب لگائے کرسی پر بیٹھا ہے۔باقی وہ لوگ تھے جو اسے لائے تھے۔

کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا اس کی آنکھیں نقاب کے اندر چمک رہی تھیں۔

''تم سپرنٹنڈنٹ فیاض ہو۔''

اس نے غراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' ——— فیاض نے مختصر سا جواب دیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ۔یہ لوگ اسے کیوں پکڑ کر لائے ہیں۔اور کون ہیں۔ کیا یہی فائرنگ والے ملزم ہیں۔

''تم علی عمران کو جانتے ہو۔'' ——— اس نقاب پوش نے دوسرا سوال کیا۔

'' فیاض چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لئے حیران رہ گیا اور پھر اس

نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم اسکا پتہ بتلا سکتے ہو؟''——— اس بار نقاب پوش کی آواز میں نرمی آ گئی تھی۔

''تمہیں اس سے کیا کام ہے؟''

فیاض نے پوچھا۔

''اس سے تمہارا کوئی مطلب نہیں۔''

اس نے جواب دیا۔

''پھر میں اس کا پتہ نہیں بتلا سکتا۔''

''دیکھو تم ضد نہ کرو اس کا پتہ بتا دو ورنہ سختی پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

نقاب پوش نے کہا مگر آواز اب بھی نرم تھی۔

''جب تک تم اس سے کام نہیں بتلاؤ گے میں اس کا پتہ نہیں بتاؤں گا۔''——— فیاض کے لہجے میں سختی نمایاں تھی۔

''ہمیں اس سے ضروری کام ہے ہم نے اس سے ملنا ہے۔''

''وہ ضروری کام کیا ہے۔''

''یہ نہیں بتایا جا سکتا۔''

''تو پھر میں اس کا پتہ بھی نہیں بتا سکتا۔''——— فیاض نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ہوں۔''

نقاب پوش کے لہجے میں غراہٹ عود کر آئی۔ اس نے پاس کھڑے ہوئے آدمی کو اشارہ کیا وہ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک سرنج لئے

اندر داخل ہوا سرنج میں کوئی سرخ رنگ کا سیال مادہ بھرا ہوا تھا۔

''یہ دیکھو اس سیال کو غور سے دیکھ لو اس کے جسم میں جاتے ہی تم سب کچھ سچ بتا دو گے۔ پھر اس سے تمہارا جو حشر ہو گا۔ اس کا تم زندگی بھر تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ تم پتہ بتا دو۔''

''تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو۔'' ——— فیاض نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''اوکے۔'' ——— نقاب پوش نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر اس نے جھٹکے سے فیاض کی شرٹ بازو سے پھاڑ دی۔ فیاض بندھا ہونے کی وجہ سے مجبور تھا وہ کسمسا کر رہ گیا۔

نقاب پوش نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر سرنج کی سوئی فیاض کی بازو میں گھونپ دی اور سرخ رنگ کا سیال آہستہ آہستہ اس کے بازو میں جانے لگا۔ فیاض کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے نیند آ رہی ہے۔ اسکی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ اسے سکون محسوس ہونے لگا وہ حیران تھا کہ یہ کیسی سزا ہے۔ نقاب پوش نے سوئی باہر کھینچ لی تھی اور اب بغور فیاض کو دیکھنے لگا۔ ایک سیکنڈ کے بعد فیاض کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے چہرے پر خارش ہو رہی ہے۔ اس نے بے اختیار ہاتھ سے کھجلانا چاہا لیکن اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ تلملا کر رہ گیا اب اس کے سارے جسم میں کھجلی ہونے لگی۔ فیاض نے ہاتھ کھلوانے کے لئے زور لگانا چاہا لیکن ہاتھ مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ خارش بڑھتی جا رہی تھی۔ فیاض سخت تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ تکلیف کی شدت سے اس

کو پسینے آگئے پھر تکلیف ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے میں آگیا پھر تکلیف کی شدت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ سارے جسم میں شدید خارش ہو رہی تھی۔ اور وہ کھجلانے سے مجبور تھا۔ پھر اسکے حلق سے لگاتار چیخیں نکلنے لگیں اور وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

''خارش بڑھتی جائے گی میرے دوست۔'' ——— نقاب پوش نے اطمینان سے کہا۔

اور فیاض کا دل چاہا کے اس نقاب پوش کی گردن مروڑ دے۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا اور سب لوگ اطمینان سے کھڑے اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

''بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔'' ——— فیاض کی زبان سے آخر کار یہ جملہ بے اختیار نکل گیا۔

''بتاؤ۔''

نقاب پوش نے اطمینان سے کہا۔

''پہلے یہ خارش ختم کرو۔''

''جب تک تم نہیں بتاؤ گے یہ خارش ختم نہیں ہوسکتی۔''

''لیکن میں مر رہا ہوں۔ میری آواز نہیں نکلتی۔'' ——— فیاض نے چیخوں کے درمیان کہا۔

''کچھ بھی ہو۔ جب تک بتاؤ گے نہیں یہ خارش بڑھتی جائے گی نتیجہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

اور پھر مجبور ہوکر فیاض نے عمران کے فلیٹ کا پتہ بتا دیا۔

"یہ تو ہم بھی جانتے ہیں یہ بتاؤ کہ آجکل وہ کہاں ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔"

"تو پھر بھگتو۔"

نقاب پوش نے اطمینان سے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں میں آجکل اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا مجھے خود اسکی تلاش ہے۔"

"نہیں تم اسکے متعلق جانتے ہو۔" ــــــ نقاب پوش نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں یہ سچ کہہ رہا ہوں۔" ــــــ فیاض نے کرب آمیز لہجے میں کہا۔

اور نقاب پوش کو اسکے لہجے میں سچائی کی جھلکیاں دکھائی دیں۔

"اوکے۔"

اس نے ساتھ والے آدمی کو اشارہ کیا وہ فوراً باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اندر آیا تو اسکے ہاتھوں میں ایک گلاس تھا جس میں زرد رنگ کا سیال تھا اس نے وہ گلاس فیاض کے منہ سے لگا دیا۔ فیاض نے تڑپتے ہوئے وہ پی لیا جیسے ہی سیال اس کے حلق سے نیچے اترا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم پر برف پڑ گئی ہو۔ کھجلی بالکل غائب ہوگئی اور وہ بے دم ہوگیا۔

"اسے کھولو اور روم نمبر تین میں بند کردو۔" ــــــ نقاب پوش نے

ایک آدمی سے کہا۔

''اس کے متعلق کل باس کوئی فیصلہ کرے گا۔''——— اس نے کہا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا۔

کوٹھی کے گیٹ پر آکر ایک کار رکی تو باہر کھڑا چوکیدار ہوشیار ہوگیا وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائیور کے نزدیک آیا اس نے ہلکے سے کہا۔

"سابولیٹ"

ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے غیر ملکی نے کہا۔

"ہم گر"

اور پھر ڈیش بورڈ سے ایک کارڈ نکال کر چوکیدار کو دے دیا۔کارڈ پر گھونگھے کا نشان بنا ہوا تھا۔چوکیدار یہ کارڈ دیکھتے ہی اٹن شن ہوگیا۔اس نے لپک کر کوٹھی کا گیٹ کھولا اور کار رینگتی ہوئی پورچ میں جا کھڑی ہوئی۔ کار کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش ہاتھ میں فائل اٹھائے کار سے نکل کر اندر داخل ہوگیا۔لمبا سا کاریڈور پار کر کے وہ آخری کونے میں واقع کمرے کے سامنے جا کر رک گیا دروازہ بند تھا

اس نے تین بار دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی۔دروازہ بے آواز کھل گیا۔کمرے کے وسط میں ایک میز موجود تھی جس کے گرد چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ۔ان میں سے ایک پر ایک نقاب پوش موجود تھا۔اندر آنے والے سیاہ پوش نے ادب سے سلام کیا اور پھر بڑے مؤدبانہ طریقے سے فائل نقاب پوش کے سامنے رکھ دی۔

''لے آئے ہو'' ــــــ نقاب پوش کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی۔

''جی سر۔''

''بیٹھو'' ــــــ نقاب پوش نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔اب اس کی آواز میں قدرے نرمی آ گئی تھی۔

پھر نقاب پوش نے فائل پر لگی ہوئی سیلیں چیک کیں سب سیلیں بدستور موجود تھیں۔اس نے جلدی سے وہ سیلیں توڑیں اور پھر فائل کا فیتہ کھول دیا۔ فائل میں موجود کاغذات کو دیکھ کر اسکی آنکھیں چمک اٹھیں وہ جلدی جلدی فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ ایک منٹ بعد اس نے فائل بند کرتے ہوئے اطمینان کی سانس لی۔

''ویری گڈ''

نقاب پوش نے تحسین آمیز لہجے میں کہا اور فائل لانے والے سیاہ پوش کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

''باقی ساتھی کہاں ہیں۔''

نقاب پوش نے کہا۔

''وہ آرہے ہیں سر'' ـــــــ سیاہ پوش نے ادب سے جواب دیا۔

اتنے میں کمپاؤنڈ میں کاریں رکنے کی آوازیں آئیں۔

''وہ آگئے ہیں سر''

سیاہ پوش نے ادب سے کہا۔

''کتنے ساتھی کام آئے؟''

''میرے خیال میں تین یا چار'' ـــــــ سیاہ پوش کا لہجہ بے حد مودبانہ تھا۔

''اوکے۔ تم سب لوگ آرام کرو۔ تم نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اسکا پورا صلہ تم کو دیا جائے گا۔''

''تھینک یو سر''

سیاہ پوش نے کھڑے ہو کر کہا۔

پھر سلام کرتا ہوا دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد نقاب پوش نے اُٹھ کر دروازے کی اندر سے کنڈی لگائی اور پھر پلٹ کر ایک الماری کی طرف بڑھا اس نے الماری کھولی اس میں کپڑے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے الماری کی سائڈ میں لگی ہوئی ایک کھونٹی کو ہلکے سے کھینچا۔ الماری کا وہ تختہ جس پر کپڑے لٹک رہے تھے آہستہ سے گھوم گیا اب جو تختہ سامنے آیا اسکے کونے میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر کا بٹن دبایا اس میں لگا ہوا ایک سبز رنگ کا بلب جل اٹھا۔ سائیں سائیں کی آواز گونجنے لگی۔

''ہیلو ہیلو۔ مارٹی سپیکنگ۔ اوور۔'' ــــــ وہ ایک منٹ تک یہی فقرہ دہراتا رہا۔ اچانک سائیں سائیں کی آواز آنا بند ہوگئی اور سبز رنگ کے بلب کے ساتھ ایک زرد رنگ کا بلب بھی جل اٹھا۔

''ہیلو۔ اوور۔'' ــــــ ٹرانسمیٹر کے مائیکروفون سے ایک کرخت آواز گونجی۔

''مارٹ سپیکنگ سر۔ اوور۔'' ــــــ نقاب پوش نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

''یس۔ کیا رپورٹ ہے؟ اوور۔''

''سر آپریشن زیرو کامیاب ہوگیا ہے۔ اوور۔''

''ویری گڈ۔ فائل تم نے دیکھ لی۔ اوور۔''

''یس سر۔ فائل اوکے ہے۔ اوور۔''

''میرے پاس بھجوا دو۔ اوور۔''

''سر ابھی پورے ملک میں سی آئی ڈی اور پولیس اس فائل کو ڈھونڈنے میں لگی ہوئی ہوگی۔ اوور۔''

مارٹی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''کیا میں سمجھ لوں مارٹی کہ تم بزدل ہوگئے ہو۔ اوور۔'' ــــــ آواز میں کرختگی عود کر آئی۔

''نو باس۔ میں حفاظت کے خیال سے کہہ رہا تھا۔ اوور۔'' نقاب پوش کی آواز گونجی۔

''مجھے بزدل آدمی پسند نہیں آئندہ ایسی بات مت کرنا تم ایسا کرو

فائل نمبر ٹو ون سکس کے حوالے کر دو۔ مجھ تک پہنچ جائے گی۔ اوور۔“
باس نے جواب دیا۔

”اوکے سر۔ میں فائل اس تک پہنچا دیتا ہوں۔ اوور۔“

”اوور اینڈ آل۔“

اسکے ساتھ ہی زرد رنگ کا بلب بجھ گیا۔ سائیں سائیں کی آواز دوبارہ آنے لگی نقاب پوش نے ایک لمحہ انتظار کے بعد بٹن بند کر دیا سبز رنگ کا بلب بھی بجھ گیا اس نے الماری میں لگی ہوئی اسی کھونٹی کو دوبارہ کھولا اور تختہ گھوم گیا۔ اب سامنے دوبارہ کپڑے لٹک رہے تھے۔ اس نے الماری بند کر دی نقاب اتار کر سوٹ کی جیب میں رکھ لیا اور پھر میز کی دراز سے ایک ہینڈ بیگ نکالا فائل اٹھا کر اس میں رکھی اور ہینڈ بیگ کو تالا لگا کر دروازے کی طرف مڑا۔ اس نے کنڈی کھولی اور باہر نکل آیا اور پورچ میں کھڑی سیاہ رنگ کی کار کی طرف آیا۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا کار ہلکی آواز میں سٹارٹ ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گیٹ کی طرف آئی چوکیدار نے جلدی سے گیٹ کھولا اور کار سڑک پر پہنچ گئی۔ اب اسکی رفتار انتہائی تیز تھی۔

عمران کیپٹن شکیل اور جوزف کی کار انہیں لئے دارالحکومت پہنچ
چکی تھی۔ عمران نے جوزف کو دانش منزل چلنے کا حکم دیا اور چند ہی لمحوں
بعد کار دانش منزل پہنچ چکی تھی۔ وہ تینوں تیزی سے چلتے ہوئے
ڈرائنگ روم میں پہنچے۔

''جوزف تم دروازے پر پہرہ دو''۔۔۔۔ عمران نے جوزف
سے کہا اور جوزف دروازے سے باہر نکل آیا۔ اب عمران نے ڈرائنگ
روم کی میز کے خفیہ خانے سے ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا بٹن آن
دیا۔ چند لمحے بعد اس سے آواز ابھری۔

''ایکسٹو سپیکنگ۔ اوور''۔۔۔۔ ایکسٹو کی مخصوص آواز آئی۔

''میں عمران بول رہا ہوں جناب۔ اوور''۔۔۔۔ عمران کا لہجہ
مؤدبانہ تھا۔ ادھر بلیک زیرو سمجھ گیا کہ عمران کے ساتھ کیپٹن شکیل موجود
ہے اسی لئے عمران مؤدبانہ لہجے میں جواب دے رہا ہے۔

"کیا رپورٹ ہے۔ اوور" ـــــ ایکسٹو کی آواز قدرے کرخت ہو گئی۔

"سر ہم نے روبا پر جال ڈال دیا ہے اور اس نے ہمیں گروہ میں ملانے کے لئے شرط رکھی ہے۔ اوور۔" ـــــ عمران رک گیا۔

"رکو مت میں سن رہا ہوں۔ اوور۔"

"جناب اس نے کہا کہ ہم عمران کو گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دیں۔ تب ہی وہ ہمیں اپنے گروہ میں شامل کرے گا۔ اوور۔"

"پھر کیا ارادہ ہے۔ اوور۔"

"سر میری ایک تجویز ہے صدیقی کو میرا میک اپ کر کے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ اوور۔"

"تجویز قبول ہے۔ میں صدیقی کو ابھی بھیجتا ہوں۔ اور کوئی بات۔ اوور۔" ـــــ ایکسٹو کے لہجے میں نرمی آ گئی۔

"ایک اور بات ہے جناب۔ اوور۔" ـــــ عمران نے قدرے رکتے ہوئے کہا۔

"سر ایک تولہ بادام روغن چاہیے۔ اوور۔" ـــــ عمران نے کیپٹن شکیل کو آنکھ مارتے ہوئے کہا اور کیپٹن شکیل اسکی شرارت پر مسکرا دیا۔

"کیا مطلب۔ اوور؟" ـــــ ایکسٹو کی آواز میں غصے کی بجائے حیرت نمایاں تھی۔

"مسٹر صدیقی کے سر پر مالش کرنے کے لئے سر۔ اوور۔" عمران

نے کہا اور ایکسٹو کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا کیپٹن شکیل نے ایکسٹو کا قہقہہ پہلی بار سنا۔عمران واقعی عجیب تھا ہر کسی سے مذاق کرنے سے نہیں چونکتا تھا۔

''میں سمجھ گیا عمران لیکن صدیقی ذہین ہے اسے بادام روغن کی ضرورت نہیں۔ اوور۔''——— ایکسٹو کی آواز سنجیدہ تھی۔

''کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ اوور۔''——— عمران نے ہلکی آواز میں کہا۔

''کیا کہا۔ اوور۔''———ایکسٹو نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں سر۔ میں شکیل سے ذرا چونچ لڑا رہا تھا۔ اوور۔'' عمران نے جلدی سے کہا۔

''اوور اینڈ آل۔''

ایکسٹو نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند ہو گیا۔عمران نے اس کا بٹن بند کر کے اسے میز کی دراز میں رکھ دیا اور خود کیپٹن شکیل کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''عمران صاحب مان گئے۔آپ تو باس سے بھی مذاق کر لیتے ہیں۔''

''میں کوئی اس چوہے سے ڈرتا ہوں۔''——— عمران نے بازو کے پٹھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور کیپٹن شکیل ہنس پڑا۔

''جوزف اندر آجاؤ۔اب پہرے کی ضرورت نہیں۔''——— عمران نے زور سے ہانک لگائی۔

اور جوزف دروازہ کھول کر اندر آ گیا اور عمران کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اس نے بیٹھتے ہی شراب کی بوتل نکالی اس کا کاک اڑایا اور بوتل منہ سے لگالی اور اسے اس وقت ہٹایا جب وہ بالکل خالی ہو گئی۔اس کے بعد اس نے دوسری بوتل نکالی اور اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کا ہوا تھا۔کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

"ارے ارے بس کرو۔کیوں میرا کباڑا کر رہے ہو۔آجکل شراب ویسے بھی مہنگی ہو گئی ہے۔"—— عمران نے چیختے ہوئے کہا۔

"باس مجھے شراب پیتے وقت نہ ٹوکا کرو شراب مہنگی ہو گئی تو اب میں اس کے بدلے پانی پینے سے تو رہا۔"—— جوزف نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"کاش تم شراب کی جگہ پانی پیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"—— عمران نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"باس اگر میں شراب کی جگہ پانی پی رہا ہوتا تو کب کا مر چکا ہوتا۔"

"ارے تم کیا۔ہم مر گئے ہیں۔"—— عمران نے غصے سے بھر پور لہجے میں کہا۔

"باس تم گریٹ ہو۔میرا اور تمہارا کیا مقابلہ۔"—— جوزف کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

"بس بس زیادہ مکھن نہ لگاؤ۔"—— عمران نے کہا اور شکیل ہنس پڑا۔

اتنے میں دروازہ کھولا اور صدیقی اندر آ گیا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹھک گیا کیوں کہ کمرے میں بیٹھی ہوئی تینوں صورتیں اس کے لئے اجنبی تھیں۔

"کون ہو تم لوگ۔؟" ـــــ صدیقی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پہلے اپنا تعارف کراؤ۔"

عمران کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

"میں کہتا ہوں کون ہو تم۔ جلدی بتاؤ۔" ـــــ صدیقی نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"ہمیں ایکسٹو نے بلایا ہے۔"

عمران نے جواب دیا۔

صدیقی ایک اجنبی کی زبان سے ایکسٹو کا نام سن کر چونک پڑا۔

"صدیقی آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں شکیل ہوں۔ یہ عمران صاحب ہیں۔ تمہارے سامنے جوزف بیٹھا ہوا ہے۔" ـــــ کیپٹن شکیل نے وضاحت بیان کرتے ہوئے کہا اور صدیقی شرمندہ ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ریوالور اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"یار شکیل دو منٹ تو خاموش رہتے۔ صدیقی صاحب کو ذرا اور گرم ہونے دیتے۔"

عمران نے کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"عمران صاحب خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا۔"

شکیل نے جواب دیا۔

''صدیقی آؤ تمہارا میک اپ کروں۔تم نے میرا رول کرنا ہے۔''

عمران نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور صدیقی سعادت مندی سے اٹھ کھڑا ہوا۔شائد ایکسٹو نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔

عمران نے صدیقی کو کونے والی کرسی پر بٹھا دیا اور پھر الماری سے میک اپ کا سامان نکال کر اپنا میک اپ اس پر کرنا شروع کر دیا۔میک اپ پلاسٹک کا تھا اس لئے صدیقی کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکیاں نکل رہی تھیں۔آدھے گھنٹے بعد وہاں صدیقی کی جگہ عمران بیٹھا ہوا تھا۔ عمران نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر صدیقی کے حوالے کر دیا۔ اور کہا۔

''اب میری آواز میں کوئی فقرہ بولو۔''

''عمران صاحب آپ نے کمال کر دیا۔'' ——— صدیقی نے آئینے میں اپنی شکل دیکھتے ہوئے عمران کے لہجے میں کہا۔

آواز اور لہجہ بالکل تو نہیں تھا لیکن کام چل سکتا تھا۔عمران نے اطمینان کی سانس لی۔

''اوکے تم پاس ہوگئے ہو چلو چلیں۔''

اور پھر سب ایک ایک کر کے کمرے سے باہر نکل گئے اور کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ گئے۔جوزف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔پچھلی سیٹ پر عمران اور کیپٹن شکیل کے درمیان صدیقی بیٹھا ہوا تھا۔

بلیک زیرو کی کار جب ہوٹل خیام کے کمپاؤنڈ میں جا کر رکی تو اس نے محسوس کیا کہ ہال میں افراتفری مچی ہوئی ہے۔ وہ جلدی سے کار سے اترا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہال کی طرف چلا۔ہال کے دروازے بند تھے۔ اس نے ''خفیہ پولیس'' کہہ کر دروازہ کھلوایا اور اندر گھس گیا اندر جا کر اس نے دیکھا کہ چاروں طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ایک میز پر مظفر محمود کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کا سارا جسم گولیوں سے چھلنی ہوا پڑا تھا۔ اس کے اردگرد کی میزوں پر تقریباً دس آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس نے بے چینی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی اسے صفدر کہیں نظر نہیں آیا۔مگر ایک کونے کی طرف دیکھ کر وہ چونک پڑا اسے تنویر اندھے منہ فرش پر پڑا نظر آیا۔اسکا سارا جسم خون سے لت پت تھا اتنے میں پولیس دندناتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔ساتھ ہی ایمبولینسز بھی آئی تھیں۔کیونکہ ایمبولینسز کا عملہ اسٹریچر

لے کر اندر آ گیا تھا۔ بلیک زیرو تنویر کی طرف بڑھا۔ اس نے اسکی نبض دیکھی جو آہستہ آہستہ چل رہی تھی وہ سخت پریشان ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر تنویر کو فوری طبی امداد نہ ملی تو اسکی حالت سخت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک دو آدمی اسٹریچر لئے تنویر کے پاس آئے اور انہوں نے تنویر کو سٹریچر پر لٹایا اور پھر باہر ایمبولینس کی طرف بھاگے۔ بلیک زیرو نے سوچا تنویر کا علاج ہسپتال کے جنرل وارڈ میں ہونے کی بجائے دانش منزل میں ہونا چاہیے لیکن پولیس کی موجودگی میں ہال سے باہر جانا بھی کاردارد تھا۔ کیونکہ پولیس افسروں کو اس پر شک ہو سکتا تھا۔ اتنے میں تنویر اسٹریچر پر لدھا ہوا باہر جا چکا تھا۔ دوسرے زخمی بھی اسٹریچروں پر لدھے باہر جا رہے تھے۔ بلیک زیرو نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اس نے سچویشن کا جائزہ لیا تا کہ اگر نکل بھاگنے کی کوئی گنجائش ہو تو اسے عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ مگر ہال کے تمام دروازے بند تھے۔ صرف ایک دروازہ کھلا تھا۔ جس پر دو سپاہی تعینات تھے۔ زخمی اسی راستے سے جا رہے تھے۔ ہال میں موجود تمام لوگ سمٹ کر مختلف کونوں میں چلے گئے تھے۔ بظاہر باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور بلیک زیرو کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ جتنی دیر کرے گا اتنا ہی تنویر موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ ٹیلیفون بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ جولیا کو فون صرف ایکسٹو کی آواز اور نام سے ہی کیا جا سکتا تھا ورنہ بلیک زیرو اور طاہر کو کون جانتا تھا۔ اس نے سوچا اگر اس سچویشن

میں عمران ہوتا تو کچھ نہ کچھ حل ضرور نکال لیتا۔عمران کا خیال ذہن میں آتے ہی ایک بہترین پلان اسکے ذہن میں آگیا۔شائد یہ عمران کے نام کی ہی برکت تھی کہ اس کا نام ذہن میں آتے ہی کند سے کند ذہن بھی مستعد ہوجاتا تھا۔وہ تیز تیز چلتا ہوا ایک کونے کی طرف بڑھا۔وہاں ابھی تک ایک زخمی پڑا تھا۔ بلیک زیرو نے قریب پہنچ کر ادھر اُدھر دیکھا۔

تمام لوگ پولیس کی طرف متوجہ تھے۔وہ چپکے سے اس زخمی کے پاس لیٹ گیا۔فرش پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔اس کا کوٹ خون سے لتھڑ گیا۔اس نے ہاتھ فرش پر مار کر اپنی سفید شرٹ اور منہ پر مار لئے اس طرح اس کا چہرہ بھی بھر گیا۔اتنے قیمتی سوٹ کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر اسکا دل دُکھا لیکن جب تنویر کی جان کا خیال آیا تو اسے ذرا بھی ملال نہیں ہوا۔اتنے میں چند آدمی اسٹریچر لئے اس کے پاس آئے ان میں سے ایک نے اس کی نبض دیکھی اسکے چہرے پر قدرے حیرت کے آثار اُبھرے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں سر جھٹکا اور پھر باقی ساتھیوں کے ساتھ مل کر بلیک زیرو کو بھی اسٹریچر پر ڈالا اور اسے اُٹھاتے ہوئے ہال سے باہر نکل آئے۔

بلیک زیرو ہال سے تو باہر آگیا لیکن اب ان اسٹریچر برداروں سے جان چھڑانا بھی ایک مسئلہ تھا۔ بلیک زیرو کا اسٹریچر ایک ایمبولینس میں داخل کر دیا گیا اور وہ چاروں ایک اور اسٹریچر نکال کر پھر دوبارہ ہال میں چلے گئے۔بلیک زیرو پھرتی سے اٹھا اس نے دیکھا کہ تنویر اس

ایمبولینس میں نہیں تھا شائد تنویر والی ایمبولینس جا چکی تھی اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا لیکن اسکے باوجود اس کا حلیہ عجیب لگ رہا تھا وہ پھرتی سے باہر نکل کر ایک باڑ کی آڑ لیتا ہوا اپنی کار طرف بڑھا شکر تھا کہ یہ ایمبولینس اس باڑ کے قریب ہی کھڑی تھی۔ دوسری جانب اس نے اپنی گاڑی بھی باڑ کے پاس ہی کھڑی کی تھی۔ وہ باڑ کے پیچھے چلتا ہوا تیزی سے اپنی گاڑی کے قریب پہنچا۔ اس نے باڑ پھلانگی اور پھرتی سے دروازہ کھول کر کار میں گھس گیا۔ چند لمحوں بعد اسکی کار تیر کی طرح سنسناتی ہوئی ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر تھی اب اس کا رخ جنرل ہسپتال کی طرف تھا۔ جنرل ہسپتال اور خیام ہوٹل کا فاصلہ چونکہ بہت زیادہ تھا۔ اس لئے بلیک زیرو کو امید تھی کہ وہ ایمبولینس کو ہسپتال پہنچنے سے پہلے روک لے گا۔ اس کی کار اپنی پوری رفتار کے ساتھ اڑی چلی جا رہی تھی۔ آدھے سے زیادہ فاصلہ وہ طے کر چکا تھا۔

لیکن ابھی تک ایمبولینس نظر نہیں آئی تھی نہ ہی اس کا ہوٹر سنائی دیا تھا۔ اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا پورا دباؤ ڈال دیا کار اور بھی تیزی سے بھاگنے لگی۔ پھر اچانک سے ہوٹر کی آواز سنائی دی اور دور ایمبولینس آگے جاتی ہوئی نظر آئی اور پھر ہسپتال کی عمارت بھی نظر آنے لگی۔ اب اس کی کار اور ایمبولینس کا فاصلہ نزدیک سے نزدیک تر ہوتا چلا گیا۔ پھر اس کی کار ایمبولینس کو کراس کر گئی۔ اس نے ایک دم ایکسیلیٹر پر سے پاؤں ہٹا لیا اور پھر پورے زور سے بریک دبا دی۔ کار ایک طویل چیخ

کے ساتھ سڑک پر رک گئی۔ یکدم بریک لگنے سے وہ سڑک پر گھوم گئی۔ پیچھے آنے والی ایمبولینس بھی بریکوں کی زبردست چرچراہٹ کے ساتھ بلیک زیرو کی کار کے پاس آ کر رک گئی۔ بلیک زیرو نے جلدی سے جیب سے رومال نکال کر چہرے پر باندھ لیا اور گاڑی سے نیچے اتر آیا ایمبولینس کا ڈرائیور بڑی خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بلیک زیرو تیزی سے ایمبولینس کے قریب آیا اس نے ڈرائیور کا دروازہ کھول کر اسے بے دردی سے کھینچ کر نیچے اتارا اور پستول نکال کر اسکے پہلو سے لگا دیا۔ حیرت اور خوف کے مارے ڈرائیور کی آنکھیں پھٹ رہی تھیں۔

''ایمبولینس کا پچھلا دروازہ کھولو۔''

بلیک زیرو نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

شکر تھا کہ ابھی سڑک سنسان تھی۔ ابھی تک وہاں کوئی گاڑی نہیں آئی تھی۔ ڈرائیور نے گھبرا کر پچھلا دروازہ کھول دیا اسے دوسری سیٹ پر تنویر لیٹا ہوا نظر آیا۔

''اسے فورا باہر نکالو۔''

بلیک زیرو نے گرجتے ہوئے کہا۔

اور ڈرائیور غریب نے جلدی سے اسٹریچر کو باہر کھینچ لیا۔ اگر بلیک زیرو ریوالور پھینک کر پھرتی سے بڑھ کر اسٹریچر کا دوسرا سرا نہ تھام لیتا تو تنویر نے اسٹریچر سمیت سڑک پر آ پڑنا تھا۔

''اس آدمی کو کاندھے پر اٹھاؤ۔'' ـــــــ بلیک زیرو نے اسٹریچر

فرش پر رکھتے ہی لپک کر سڑک سے ریوالور اٹھا لیا۔ ڈرائیور نے تنویر کو کاندھے پر اٹھا لیا۔

"چلو اسے میری کار میں ڈالو"

اور پھر ڈرائیور نے جیسے ہی تنویر کو بلیک زیرو کی کار میں ڈالا بلیک زیرو دروازہ کھول کر کار میں بیٹھ گیا اور زوں کی آواز کے ساتھ کار چل پڑی۔ ڈرائیور وہیں کھڑا آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس نے خواب دیکھا ہے یا عالمِ بیداری ہے۔ ادھر بلیک زیرو کی کار جنرل ہسپتال کا موڑ کاٹ کر دانش منزل کی جانب اڑی چلی جا رہی تھی۔

جوزف نے روپا بار کے سامنے کار روک دی اور پھر صدیقی ہاتھ اٹھائے کار سے باہر آ گیا۔ وہ عمران کی مکمل ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اسکے چہرے پر مکمل حماقت تھی۔ عمران اس کی کمر سے پستول کی نال لگائے چل رہا تھا اور کیپٹن شکیل اور جوزف پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس پوزیشن میں جب وہ بار میں داخل ہوئے تو اندر مچا ہوا شور یک لخت خاموشی میں تبدیل ہو گیا۔ ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس جلوس کو دیکھ رہا تھا وہ سیدھے گیلری میں داخل ہو گئے۔

خاموشی اب ہلکی بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ گیلری سے گزر کر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔ عمران نے جوزف کو اشارہ کیا اور جوزف نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی دروازہ فوراً کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا روپا تھا حیرت سے اسکی آنکھیں پھٹ گئیں جب اس نے عمران کو ہاتھ اٹھائے دیکھا اسکے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ویری گڈ۔"

اور وہ انہیں راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اندر آ چکے تھے۔ روپا نے دروازہ بند کر دیا اور پھر دیوار کو ایک جگہ سے مخصوص انداز میں تھپتھپایا تو کمرہ کسی لفٹ کی طرح نیچے جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تہہ خانے کے ایک اور کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

"اسکی جیب میں پستول تو نہیں تھا۔" ——— روپا نے عمران سے مخاطب ہو کر پوچھا اور عمران نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"میرے خیال میں اسکے ہاتھ باندھ دینے چاہیے۔ کیونکہ یہ انتہائی خطرناک شخص ہے۔ مجھے شبہ ہے یہ خالی ہاتھ بھی کچھ نہ کچھ کر گزرے گا۔" ——— یہ کہہ کر روپا نے میز کی سائڈ میں لگا ہوا بٹن دبا دیا چار غنڈے ہاتھوں میں مشین گنیں لئے اندر آ گئے۔

"جوکر ادھر الماری سے رسی نکال کر اس کے ہاتھ مضبوطی سے باندھ دو۔" ——— روپا نے ان میں سے ایک کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جوکر نامی آدمی نے مشین گن ایک طرف رکھ دی اور الماری سے رسی نکال کر صدیقی کی طرف بڑھا۔ عمران کا پستول ابھی تک صدیقی کی پشت سے لگا ہوا تھا اور پھر جوکر نے صدیقی کے ہاتھ باندھنے کے لئے پیچھے کھینچے لیکن پھر نجانے کیا ہوا صدیقی نے یقیناً ایک کامیاب داؤ لگایا تھا۔ اس سے پہلے کہ صدیقی کے ہاتھ پیچھے بندھتے جوکر ہوا میں قلا بازی کھاتا ہوا آگے جا گرا۔ لیکن پیچھے کھڑے عمران کا ایک زوردار مکا اسکی کنپٹی پر پڑا۔ مشین گنوں والے چپ چاپ کھڑے تھے۔ ضرب زور

دار تھی۔

صدیقی نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر اسکی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے اور وہ ایک دم لہرایا اور پھر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

''بہت خوب ٹائیگر۔تم قابلِ تعریف ہو۔''——روپا کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

جوکر فرش سے اٹھ کھڑا ہوا اور روپا کے اشارے پر اس نے صدیقی کو اٹھایا اور صوفے پر ڈال دیا اور اسکے بازو پیچھے کر کے اس کے ہاتھ مضبوطی سے باندھ دیئے۔

''آپ صاحبان تشریف رکھیئے۔''——روپا نے سامنے رکھے ہوئے صوفوں کی طرف اشارہ کیا اور عمران نے پستول جیب میں ڈال لیا اور پھر وہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔مشین گنوں والے ان کے پیچھے کھڑے تھے۔

''مجھے بڑی خوشی ہے مسٹر جیگر ٹائیگر اور جوزف کہ آپ اس بہت بڑے امتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں۔''

''اچھا تو پھر میں نے کون سی ڈویژن لی ہے۔''——عمران عادت سے مجبور تھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس۔''——روپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن دوستو تم ایک داؤ ہار گئے ہو یہ کہتے ہوئے اس کی انگلی میز پر لگے ہوئے ایک سرخ بٹن پر پہنچ گئی اور پھر اسے پہلے کہ عمران چونکتا

روپا وہ بٹن دبا چکا تھا اور وہ تینوں اچھل پڑے۔عمران نے جلدی سے ریوالور نکالنا چاہا لیکن پیچھے کھڑے ہوئے غنڈوں نے مشین گنیں ان کی پشت پر لگا دیں۔اب وہ مجبور تھے انہیں بیٹھنا پڑا کیونکہ بٹن کے دبانے سے صوفے کے نیچے سے نکلنے والی کڑیاں ان کے پیروں کو جکڑ چکی تھیں۔کیپٹن شکیل کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

''اس حرکت کا کیا مطلب؟''——— اس نے گرجدار آواز میں روپا سے پوچھا۔

''بتاتا ہوں۔''——— پھر اس جوکر نامی غنڈے نے ان کی جیبوں سے ریوالور اور کیپٹن شکیل کے اوورکوٹ سے مشین گن نکال لی۔

''تمہیں یہ حرکت مہنگی پڑے گی مسٹر روپا۔''——— کیپٹن شکیل ایک بار پھر غرایا۔

''نہیں میرے دوست مجھے یہ حرکت بہت سستی پڑی ہے۔'' روپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کتنے روپے کلو پڑی۔''——— عمران نے معصومیت سے پوچھا۔

''یہ عمران ہے۔''——— روپا نے صدیقی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عمران سے پوچھا۔

''بالکل۔''——— کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

اور روپا کا زوردار قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

''تم روپا کو بے وقوف بناتے چلے تھے۔تمہیں نہیں معلوم روپا کی ہزار آنکھیں ہیں اگر وہ ایسے ہی بے وقوف بن جاتا تو آج جیل کی

کوٹھڑی میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔کتنا خوبصورت منظر تھا کہ عمران خود عمران کی کمر سے ریوالور لگائے آ رہا تھا۔ بہت خوب مسٹر عمران۔ کیپٹن شکیل اور جوزف آپ کی سکیم بھی بہت اچھی تھی ۔ مگر آپ کو نہیں معلوم آپ کا مقابلہ روپا سے ہے۔"

عمران یہ سن کر دنگ رہ گیا۔ساری سکیم ختم ہوگئی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ روپا کو پتہ کیسے چلا۔

"اب بتاؤ یہ سودا مجھے مہنگا پڑا ہے یا سستا۔"——— روپا نے ایک اور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"بالکل سستا۔ دو روپے کلو کے حساب سے ۔"——— عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مسٹر عمران میری مدت سے خواہش تھی کہ کہیں تم میرے ہتھے چڑھ جاؤ تو میں جی بھر کر تم سے انتقام لے سکوں۔"

"کیوں دوست۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ۔یقین کرو میں مرغی چور نہیں ہوں کہ تمہیں اس کا رنج ہو۔"

"تم کہتے ہو کہ تم نے میرا کیا بگاڑا ہے تم نے میرا خاندان تباہ کر دیا۔ تم نے ایک ہنستے مسکراتے گھر کو تباہی ، مفلسی ، غربت اور بیماری کے اندھے کنویں میں پھینک دیا۔ تمہیں شائد یاد بھی نہ ہو کہ تم نے آج سے پندرہ سال قبل ہوٹل رنگ بہار پر فیاض کے ہاتھوں چھاپہ ڈلوایا تھا۔میرا بھائی وہاں بیرا تھا۔ اسکا قصور صرف اتنا تھا کو وہ بیرا تھا مالک نہ تھا۔ وہ اس وقت کوکین کا پیکٹ لئے ہوٹل کے مختلف گاہکوں کو سپلائی

کرنے جا رہا تھا۔سپرنٹنڈنٹ فیاض نے اسے گرفتار کر لیا۔ چھاپہ ڈلوانے کا مقصد کچھ اور ہو سکتا تھا۔لیکن میرا بھائی فضول میں مارا گیا۔ایک ملازم اپنے گھر والوں کے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے مالک کا ہر کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔تم کو کیا معلوم کہ ایک غریب کیا کیا جتن کرتا ہے۔تم نے تو صرف اتنا دیکھا کہ کوکین کا پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ قانون کی نظر میں مجرم تھا۔تم نے تو اتنا بھی نہ سوچا کہ اس کو پیکٹ دینے والا کون ہے۔کیا قانون کی نظر میں اصل مجرم وہ نہیں۔ اس پیکٹ کو خریدنے والے کون ہیں؟ کیا وہ قانون کے مجرم نہیں۔لیکن تمہارا قانون ثبوت مانگتا ہے اور ثبوت صرف بیرے کے ہاتھ میں تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہوٹل بھی چلتا رہا اور کوکین بھی سپلائی ہوتی رہی۔مگر میرا بھائی سلاخوں کے پیچھے پہنچ گیا۔میں تمہیں بتاؤں کہ اس کے خاندان والوں پر کیا گزری۔

تو سنو۔ تمہارے اس چھوٹے سے کارنامے نے کیا کیا گل کھلائے۔تم شائد آج تک اس زعم میں رہے ہو گے کہ تم معاشرے کو اس کے گندے ناسوروں سے پاک کر کے ایک خدمت انجام دے رہے ہو۔میں تسلیم کرتا ہوں لیکن مجھے اس کا جواب چاہیے کہ مجرموں اور غنڈوں کے گھر والوں نے کیا جرم کیا تھا۔جس کی بھیانک سزا انہیں ملی تھی۔کیا اس لئے کہ وہ مجرم یا غنڈے کے گھر والے تھے۔کسی افسر یا معزز شہری کے نہیں تو کیا تمہارا قانون گوارا کرتا ہے کہ ایک کے جرم کی سزا سب کو ملے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ ان پر کیا گزری تھی۔

تمہارے سامنے اتنا شدید پہلو نہ رہا ہوگا۔

سنو۔ جب میرے بھائی کو کوکین بیچنے کے جرم میں سات سال کی قید ہوئی تو اس وقت اس کے گھر میں ایک بیمار بھائی ایک اندھی ماں اور دو جوان بہنیں تھیں۔ بھائی کے جانے کے بعد ہمیں فاقے کرنے پڑے آخر اندھی ماں نے مرتا کیا نہیں کرتا کے مصداق بھیک مانگنا شروع کر دی۔ میں بستر پہ پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ لیکن دوائی کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں تھا اور بغیر پیسوں کے دوائی ملنی اس معاشرے میں ناممکن ہے۔ غریب چاہے مر جائے کیونکہ اس کی معاشرے میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ لیکن ڈاکٹروں کی تجوریاں ضرور بھری رہتی ہیں۔ کیا یہ ڈاکٹر قانون کے مجرم نہیں۔؟ کیا یہ چار ٹکیوں کی خاطر جیتے جاگتے انسانوں کو قبر میں نہیں دھکیل دیتے۔ میں مانتا ہوں کہ ڈاکٹروں میں اچھے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو غریبوں کا دکھ درد بانٹتے ہیں۔ جو پیسے کے غلام نہیں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ انکی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ کیا تم نے کبھی ایسے ڈاکٹر کو گرفتار کروایا ہے۔ کبھی نہیں نا۔ کیونکہ ان کا جرم معاشرے کی نظر میں کوئی جرم نہیں وہ ملک کے معزز شہری ہیں۔ معاشرے کے قابلِ احترام افراد ہیں۔ خیر یہ تو بات سے بات نکل آئی۔ میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میری اندھی ماں بھیک مانگ کر ہمارے پیٹ کا دوزخ بھرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔

ماں کا بیٹا قانون کی نظر میں کتنا ہی بڑا مجرم ہو، ماں کی نظر میں بیٹا ہی ہوتا ہے۔ وہ بھیک مانگتی رہی اور تمہیں اور تمہارے قانون کو

بددعائیں دیتی رہی اور غریب کے پاس تو دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ دعائیں یا بددعائیں۔

اور ایک دن خدا نے میری ماں کی سن لی۔یعنی وہ ایک بہت بڑے صنعت کار کی کار کے نیچے آکر مرگئی اور وہ صنعت کار اسے گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کاش کہ میری ماں اس کار کے نیچے آکر مرجاتی تو مجھے آج اتنا غم نہ ہوتا۔ وہ مری نہیں۔ اس کے سینے کی ساری ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ وہ سڑک پر پڑی تڑپتی رہی لیکن کسی کے دل میں رحم نہ آیا۔ آخر چند غریب اسے اٹھا کر ہسپتال لے گئے لیکن ہسپتال والوں نے اسے داخل کرنے سے انکار کر دیا۔حتیٰ کہ اس کی مرہم پٹی کرنے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ وہ غریب تھی۔اس کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ اس کے پاس کسی بڑے افسر یا وزیر کی سفارش نہیں تھی۔ وہ تڑپتی رہی۔ آخر تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر اس نے دم توڑ دیا۔میری جوان بہنیں بھیک مانگنے نکلیں تو وہ ایسی غائب ہوئیں کہ آج تک واپس نہیں آئیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان پر کیا بیتی ہوگی۔

میں اکیلا رہ گیا۔ شدید ترین بیماری میں، میں سڑکوں پر گھسٹتا پھرا اور پھر غنڈوں کے ہاتھ چڑھ گیا نتیجہ آج تم دیکھ رہے ہو۔ میرا بھائی وہیں جیل میں سختیاں اٹھاتے اٹھاتے مر گیا۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے بھائی کو گرفتار کروا کر معاشرے کی کون سی خدمت کی تھی کہ دو نوجوان لڑکیوں کو ان کی مرضی کے خلاف معاشرے کا ناسور بنا دیا گیا۔ کیا یہی خدمت کی کہ ایک شریف نوجوان کو غنڈہ بننے پر مجبور کر دیا۔

پھر کہتے ہو کہ تم نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ اب تمہیں پتہ چلا کہ تم نے کیا کیا تھا اور یہ تو صرف ایک آدمی کی کہانی ہے نجانے اس جیسی کتنی کہانیوں نے تمہارے ہاتھوں جنم لیا ہوگا۔ پھر روپا خاموش ہو گیا۔

عمران کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ کیپٹن شکیل کی آنکھیں بھی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔ پھر روپا کے چپ ہونے پر عمران بولا۔

''روپا۔ آج واقعی تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں تم نے مجھے میرے کارناموں کا ایک اور پہلو بھی دکھا دیا ہے۔ آج تک تم میری نظر سے اوجھل رہے۔ جو کچھ تم نے کہا ہے۔ اگر وہ صحیح ہے تو میں تمہارا مجرم ہوں تم میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''تمہارے اس اعتراف جرم نے میرے تمام گلے شکوے دور کر دیئے۔ تم اب بھی ان ظلموں کا کفارہ ادا کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم مجھے بتا دو کہ ایکسٹو کون ہے۔'' —— روپا نے غور سے عمران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ایکسٹو کا نام سنتے ہی عمران چونک پڑا اور اس کے چہرے پر چھائی ہوئی جذباتیت کی تہہ یک لخت دور ہوگئی۔ صدیقی بھی ہوش میں آچکا تھا۔ وہ بھی ایکسٹو کا نام سن کر چونک پڑا۔ البتہ کیپٹن شکیل اطمینان سے بیٹھا تھا۔

''ایکسٹو۔ وہ کیا بلا ہوتی ہے۔ اور ہاں تم ہمیں پہچانے کیسے؟''

عمران نے پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا روپا نے ایکسٹو کا پتہ لگانے کی قدرے کامیاب نفسیاتی کوشش کی ہے۔

''مجھے تم لوگوں پر شک تو پہلے دن سے پڑ گیا تھا۔سب سے پہلا شک تو اس وقت پڑا جب تم میرے زبردست نشانے کے باوجود بچ گئے۔یہ آرٹ صرف عمران کو ہی آتا ہے۔دوسرا شک تمہارے چہرے کو دیکھ کر ہوا کیونکہ مجھے محسوس ہوا کہ تم میک اپ میں ہو۔لیکن میں خاموش ہوگیا۔میں اگر تم لوگوں کو اس وقت گرفتار کر لیتا تو شائد معاملہ بگڑ جاتا چنانچہ میں نے تم پر جال پھینکا اور تم اس جال میں پوری طرح پھنس گئے۔میں نے تمہیں تمہاری فوٹو دے کر ڈھونڈنے کے لئے کہا اور تم سیکرٹ سروس کے ایک اور ممبر صدیقی کو اپنا میک اپ کروا کر لے آئے۔لیکن شائد تمہیں اس پر یقین نہ آئے کہ یہاں سے جانے کے بعد یہاں واپس آنے تک تمہاری کی ہوئی گفتگو کا ایک ایک لفظ میرے پاس ٹیپ کی صورت میں موجود ہے۔دراصل میں نے تمہیں جو نوٹ دیئے تھے ان پر چڑھی ربر پر انتہائی جدید بظاہر نہ نظر آنے والا ڈکٹا فون لگا ہوا تھا۔نوٹوں کی گڈی تمہاری جیب میں پڑی رہی اور میں تمہاری گفتگو کا ایک ایک لفظ یہاں بیٹھا سنتا رہا۔اس طرح مجھے پتہ چل گیا کہ تم لوگوں کی حیثیت کیا ہے۔اب تم مجھے بتاؤ کہ ایکسٹو کون ہے۔کیونکہ اب تم مجھے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم ایکسٹو کو نہیں جانتے۔'' روپا نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

''ایکسٹو میرے پالتو طوطے کا نام ہے۔''

عمران نے کہا۔

''شٹ اپ۔تم مجھے سختی پر مجبور مت کرو ورنہ میں تمہاری بوٹی بوٹی الگ کر دوں گا۔'' ـــــــ روپا غصہ میں آ گیا۔

''تو تم قصائی بھی رہ چکے ہو۔'' ـــــــ عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور روپا کی آنکھیں سلگ اٹھیں۔

''ہاں۔اب تمہارے لئے مجھے قصائی بھی بننا پڑے گا۔میں دیکھوں گا کہ تم کب تک مذاق میں ٹالتے ہو۔''

''میں مرتے دم تک مذاق کرتا ہوں۔''

''تمہیں غلط فہمی ہے۔مسٹر عمران۔'' ـــــــ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔مشین گنوں والے ابھی تک ان کے سروں پر کھڑے تھے اور پیروں میں پڑی ہوئی کڑیوں نے انہیں بے بس کر رکھا تھا۔

بلیک زیرو کی کار انتہائی تیزی سے دانش منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر تنویر بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ بلیک زیرو کو معلوم تھا کہ ہر گزرتا لمحہ تنویر کو موت کے منہ میں لے جا رہا ہے اس لئے وہ کار کی رفتار لمحہ بہ لمحہ بڑھاتا چلا گیا اچانک ایک دھماکے کی آواز آئی اور کار بے قابو ہونے لگی۔ بلیک زیرو نے کار سنبھالنے کی بے حد کوشش کی لیکن بے سود۔

کار کی رفتار چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے اسے سنبھالنا ناممکن ہو گیا اور پھر وہی ہوا۔ کار قلابازیاں کھاتی ہوئی سڑک کے نیچے گڑھے میں جا گری اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا اور پٹرول کی ٹنکی نے آگ پکڑ لی۔ بلیک زیرو کو جس وقت ہوش آیا تو اس وقت آگ کے شعلے اس کے چاروں طرف رقص کر رہے تھے اور وہ خود ہلنے سے بھی معذور تھا۔

نجانے اسکے جسم میں کیا کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ آگ ابھی تک

اس کے لیڑوں کو نہیں لگی تھی۔اس نے محسوس کیا کہ اگر چند لمحوں کی اور دیر ہوگئی تو وہ یہیں جل کر خاک ہو جائے گا اور تنویر تو شاید گاڑی کے جھٹکے کو بھی برداشت نہ کر پایا ہو۔کیونکہ اسکے زخم بے حد خطرناک تھے۔

تنویر کا خیال آتے ہی اس کے جسم میں برقی لہر دوڑ گئی۔اس نے جسم کو ہلایا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کی کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔چاروں طرف آگ کے شعلے موت کی زبان بنے لپک رہے تھے۔کار دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ بلیک زیرو کا اتنی دیر تک بچ جانا ہی معجزہ تھا۔

اس نے دائیں طرف دیکھا تو کار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔لیکن اس کے درمیان آگ کی چادر تنی ہوئی تھی۔اس نے اپنے جسم کو سکیڑنا چاہا لیکن ٹانگیں پھنسی ہوئی تھیں۔ایک زوردار جھٹکے سے اس کی ٹانگیں نکل آئیں۔اس نے سر موڑ کر دیکھا تو تنویر پچھلی سیٹ سے غائب تھا۔ اسی لمحہ اس کے کوٹ کو آگ لگ گئی۔اب معاملہ برداشت سے باہر تھا۔آگ کی وجہ سے بے حد گرمی تھی۔اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کسی نے جلتے ہوئے آتشدان میں پھنسا دیا ہو اور پھر اس نے اپنی پوری قوت سے کھلے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔آگ کی دیوار پار کرتے ہوئے اسکے ہاتھ جھلس گئے وہ زمین پر قلابازیاں کھاتا ہوا دور تک چلا گیا۔

زمین پر لوٹنے کی وجہ سے آگ بجھ گئی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کا تمام جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔جسم پر کافی زخم آئے تھے۔سڑک

بالکل سنسان پڑی تھی۔ آگ کی وجہ سے چاروں طرف روشنی ہو رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر دور پڑے تنویر پر پڑی۔ جو شاید کار کے لڑھکنے کے دوران باہر آ گرا تھا۔ وہ تیزی سے تنویر کی طرف بڑھا تنویر ابھی تک بے ہوش تھا اس نے تنویر کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کے مرنے میں بہت کم وقت باقی تھا۔ اگر اسے فوری طور پر طبی امداد نہ ملی تو وہ ختم ہو جائے گا۔

سڑک بالکل سنسان تھی۔ اس نے تنویر کو کاندھے پر لادا اور گڑھے سے ہوتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ دانش منزل وہاں سے کافی دور تھی اس نے سوچا ٹیکسی کا انتظار کیا جائے لیکن اس سڑک پر ہوسکتا تھا کہ ٹیکسی ساری رات نہ آئے۔ اب وہ پھنس گیا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ تنویر جنرل ہسپتال چلا جاتا۔ آخر اس نے دانش منزل کی طرف بھاگنا شروع کر دیا کافی دور جانے کے بعد وہ ایک چوراہے پر آ گیا۔ ادھر سے ایک ٹرک آ رہا تھا اس نے ٹرک ڈرائیور کی منت کی اور ٹرک ڈرائیور اسے اور تنویر کو ہسپتال پہنچانے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اب بلیک زیرو نے دانش منزل جانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ ڈرائیور اسے چھوڑ کر سیدھا پولیس اسٹیشن جائے گا اور پھر پوزیشن ضرور نازک ہو جاتی۔

اس لئے اس نے رانا پیلس جانے کا خیال بنایا اور پھر وہ رانا پیلس سے تقریباً سو گز پیچھے اترا۔ ٹرک کے جانے کے بعد بلیک زیرو تنویر کو کاندھے پر ڈالے بھاگتا ہوا رانا پیلس میں داخل ہو گیا۔ چند لمحے بعد

ڈاکٹر فاروقی تنویر کو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر فاروقی اپنے عملہ سمیت رانا پیلس سے ملحقہ کوٹھی میں رہائش پذیر تھے۔ڈاکٹر فاروقی قابل ترین سرجنوں میں سے تھے۔ان کی خدمات صرف ایکسٹو کے لئے مخصوص تھیں۔انہوں نے تنویر کی خطرناک حالت کو فوراً بھانپ لیا۔

تنویر کے جسم میں تین گولیاں لگی تھیں۔جنہیں نکالنا بے حد ضروری تھا۔انہوں نے فوراً آپریشن کا فیصلہ کیا۔ رانا پیلس میں ایک جدید آپریشن تھیٹر موجود تھا۔ یہ عمران کی پیش بندی تھی۔جو آج تنویر کے کام آئی۔آدھے گھنٹے کے آپریشن کے بعد ڈاکٹر فاروقی نے اطمینان کی سانس لی۔خطرہ کسی حد تک دور ہو چکا تھا۔ڈاکٹر فاروقی نے تنویر سے فارغ ہو کر بلیک زیرو کی بھی مرہم پٹی کر دی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد روپا دوبارہ اس کمرے میں داخل ہوا جس میں عمران اور اسکے ساتھی قید تھے۔ وہ اکیلا نہ تھا۔ اسکے ساتھ ایک نقاب پوش بھی تھا روپا نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نقاب پوش سے کہا۔

"یہ مسٹر عمران ہیں جن کو گرفتار کرنے کے لئے ہم سب کوشش کر رہے تھے۔"

"ویری گڈ۔ آپ نے انتہائی قابلِ قدر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ باس عمران سے مل کر ضرور خوش ہو گا۔" ——— نقاب پوش نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے کہا اے مہ جبیں پردہ نشیں۔ کیا تم اپنے دیدار سے مشرف بھی فرماؤ گے۔"

عمران نے ہانک لگائی۔

”شٹ اپ۔ ادب سے بات کرو۔“

روپا یہ سن کر پھٹ پڑا۔

”کیوں۔ کیا یہ کسی سکول کے ماسٹر ہیں؟“ ——— عمران نے اسی لہجے میں کہا۔

لیکن روپا نے عمران اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے کھڑے ہوئے غنڈوں کو اشارہ کیا اور یکلخت عمران اور اسکے ساتھیوں پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کے سروں پر مشین گنوں کے بٹ کافی زوردار پڑے تھے اور وہ سب بے ہوش ہو گئے۔

روپا نے آگے بڑھ کر باری باری سب کی آنکھیں کھول کر دیکھا پھر مطمئن انداز میں طویل سانس لی۔

”لیجیے باس۔ اب یہ بڑے باس تک آسانی سے پہنچ جائیں گے۔“

”گڈ مسٹر روپا۔ تم نے اچھا کیا۔ یہ جتنی جلدی باس تک پہنچ جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔“

پھر روپا نے ایک آدمی کو مخصوص اشارہ کیا اور وہ شخص پھرتی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ کمرے کے اندر داخل ہوا۔

”تیار ہے باس۔“

اس نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

”اوکے“ ——— یہ کہہ کر روپا میز کی طرف گیا اور پھر اس نے میز کی نچلی سائیڈ میں لگے ہوئے بٹن کو دبایا اور عمران اور اسکے ساتھیوں کے پیروں پر لگی کڑیاں کھل کر دوبارہ صوفوں میں غائب ہو گئیں۔

''ان کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالو۔''

روپا نے غنڈوں سے کہا اور پھر باری باری ان سب کو اٹھا کر کمرے سے باہر لے جایا گیا اور دروازے کے پاس کھڑی ایک سیاہ رنگ کی بند وین میں ڈال دیا گیا۔

''او کے مسٹر روپا۔آپکا کام ختم ہوا باس یقیناً آپ کو بڑے انعام سے نوازے گا۔''

''میں باس کا خادم ہوں۔''——روپا نے انتہائی ادب سے سر جھکا کر کہا اور وہ نقاب پوش وین کے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور وین تیزی سے چل پڑی۔

بلیک زیرو عمران اور اسکے ساتھیوں کے بارے میں بے حد بے چین تھا۔ان کی کوئی خبر نہیں تھی۔ادھر صفدر بھی گم تھا۔اسکے تمام ساتھی سوائے جولیا کے منظر سے غائب تھے۔تنویر زخمی پڑا تھا۔بلیک زیرو کو عمران اور کیپٹن شکیل کی صلاحیتوں پر بے پناہ اعتماد تھا۔لیکن اسکے باوجود بھی وہ مضطرب تھا۔اب تک عمران کی طرف سے کال آجانی چاہیئے تھی۔ادھر سر رحمان نے فون کر کے یہ بتایا تھا کہ کیپٹن فیاض بھی کل سے گم ہے۔اس کا کوئی پتہ نہیں چل رہا۔

بلیک زیرو کی عقل حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔اعلیٰ حکام علیحدہ پریشان تھے اتنی اہم فائل کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔بلیک زیرو فائل کی اہمیت سے بخوبی واقف تھا۔

فائل میں دراصل اس منصوبے کی تفصیل تھی جس کے اندر ایک دوست ملک کی مدد سے ہائیڈروجن بم اور فیکٹری تیار ہو رہی تھی۔وہ

دوست ملک اس سلسلے میں منظر عام پر نہیں آنا چاہتا تھا۔فیکٹری کے حفاظتی انتظامات فائل کی چوری کے بعد سخت ترین کر دیئے گئے تھے۔ لیکن اس فائل میں دوست ملک کے وزیر خارجہ کے دستخط تھے۔ اگر وہ معاہدہ لیک آؤٹ ہو گیا تو بے شمار بین الاقوامی پیچیدگیاں بڑھ جانے کا خطرہ تھا۔اس لئے اس فائل کو ہر صورت میں واپس کرنا انتہائی ضروری تھا۔یہ صورت حال بلیک زیرو کو بے حد پریشان کر رہی تھی۔

ایک ایک لمحہ اہم تھا اور وہ ابھی تک اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکا تھا۔آخر اس نے کچھ سوچا پھر ٹیلی فون کا رسیور اٹھایا اور جولیا کے نمبر ڈائل کیے چند لمحوں بعد دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔

''لیں جولیا سپیکنگ۔''

''ایکسٹو۔''

بلیک زیرو نے مخصوص آواز میں کہا۔

''لیں باس۔''

جولیا کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''جولیا تم کار میں ابھی جام نگر کے روپا بار میں جاؤ وہاں کسی نہ کسی طریقہ سے تمہیں بار کے مالک روپا سے ملنا ہے۔طریقہ کار کا فیصلہ میں تم پہ چھوڑتا ہوں۔عمران وغیرہ وہاں گئے تھے۔لیکن اب تک ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔تم نے روپا سے مل کر یہ اندازہ لگانا ہے کہ عمران کہاں ہے اور اس قسم کی بات چیت اور اداکاری کرنا کہ روپا تم سے کھٹک جائے اور اگر وہ تمہیں اغوا کر کے کہیں بھیجے تو یہ زیادہ

بہتر ہے۔ تمہارے بالوں کے کلپ میں نمبر چار ٹرانسمیٹر ضرور ہونا چاہیے اور جس وقت تم روپا بار میں جاؤ اسے ہر وقت آن رکھنا۔ سمجھ گئی تم۔"

"بالکل باس۔ آپ قطعی بے فکر رہیں۔"

جولیا کی آواز آئی۔

"اوکے۔"

بلیک زیرو نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

چند منٹ تک وہ بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر سامنے لگی ہوئی الماری کھولی اور پلاسٹک میک اپ کرنا شروع کر دیا اب اس کی شکل کافی بدل چکی تھی۔ اس نے دوسری الماری سے نمبر چار ٹرانسمیٹر نکال کر جیب میں ڈالا اور ایک دو اور چیزیں جیب میں ڈال کر پھر اپنے مخصوص کمرے میں آ گیا۔ اس نے جولیا کو بطور چارہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس کے علاوہ اسکے خیال میں کوئی صورت نہیں تھی۔ اب وہ جولیا کا پیچھا کر کے تنظیم کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار تیز رفتار سے جام نگر کی طرف دوڑی چلی جا رہی تھی۔ راستے میں اسے جولیا اپنی کار میں جاتی ہوئی نظر آئی وہ اسے کراس کرتا ہوا آگے نکل گیا اور دور چلا گیا وہ اس سے پہلے روپا بار میں جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ تھوڑی ہی دیر بعد روپا بار میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے ایک کونے میں رکھی ہوئی ایک الگ تھلگ میز سنبھالی اور میز پر پڑے ہوئے اخبار کو اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا اور دوسرے لمحے ویٹر اس کے

سر پر سوار تھا۔

"کافی لاؤ" ——— بلیک زیرو نے اسے ہدایت کی اور وہ سر جھکا کر چلا گیا۔

اسی وقت جولیا بھی بار میں داخل ہوئی۔ہال میں بیٹھے تقریباً تمام افراد کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ہال میں چونکہ زیادہ تعداد غنڈہ ٹائپ افراد کی تھی اس لئے بہت سے لوگوں کی نظروں میں بلیک زیرو نے ہوس کے سائے ناچتے دیکھے اور پھر بُرا سا منہ بنا کر کافی پینے لگا۔

جولیا ہال کے درمیان پڑی ہوئی ایک خالی میز پر بیٹھ چکی تھی۔ ویٹر لپک کر اسکے پاس پہنچا۔اس کے دانت نکل رہے تھے۔

بلیک زیرو نے چار نمبر ٹرانسمیٹر جو بالکل چھوٹے سائز میں تھا۔ نکال کر کان کے اندر چپکا لیا۔

یہ ٹرانسمیٹر ملک کے مشہور سائنسدان مسٹر صدیقی کی ایجاد تھی جو خصوصاً سیکرٹ سروس کے لئے ایجاد کئے گئے تھے۔اس ٹرانسمیٹر کے اوپر ایسا سلوشن لگا دیا گیا جو جسم کے ساتھ چپک جاتا تھا۔اس کو عمران کی فرمائش پر تیار کیا گیا تھا۔کیونکہ عام ٹرانسمیٹر کانوں میں نہیں لگایا جاسکتا تھا اور اس پر کوئی کال آتی تو ایجنٹ کو اٹھ کر علیحدہ جانا پڑتا تھا جس سے بعض اوقات اس پر شک کیا جا سکتا تھا۔

بلیک زیرو نے ٹرانسمیٹر آن کرلیا۔اس لئے اب وہ آرام سے بیٹھا جولیا کی گفتگو سن رہا تھا۔

"کافی لے آؤ" ——— جولیا ویٹر کو کہہ رہی تھی۔

"اوکے میڈم۔"——ویٹر نے کہا اور تیزی سے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جولیا کی میز پر کافی سرو کی جا چکی تھی۔ جولیا نے آرام سے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور پھر یک لخت اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اس نے کافی کا کپ زور سے فرش پر دے مارا۔ ایک چھناکا ہوا اور ہال میں بیٹھے ہوئے سب لوگ چونک پڑے۔ ویٹر تیزی سے جولیا کی طرف آیا۔

"یہ کافی لائے ہو۔ یہ بار ہے یا گندگی کا گھر؟"——جولیا کی آواز غصے سے پھٹنے لگی۔

بلیک زیرو دھیرے سے مسکرا دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ جولیا چال چل رہی ہے۔

"کیا ہوا میڈم۔"

ویٹر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہارا سر۔ ایسی کافی تم لوگوں کو پلاتے ہو جس سے بدبو آ رہی ہے۔ کہاں ہے تمہارا مالک۔ میں اس سے بات کروں گی کیا تم لوگ پیسے نہیں لیتے خدا کے نام پر کافی پلاتے ہو۔"——جولیا غصے سے چیخ اٹھی۔

"میڈم اور کافی لا دیتا ہوں۔"——ویٹر نے جولیا کے غصے سے اور زیادہ گھبراتے ہوئے کہا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ جولیا کے گرد اکٹھے ہونے لگے

وہ سب ویٹر کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

''نہیں۔کہاں ہے تمہارا منیجر میں اس سے بات کروں گی۔'' جولیا نے چیختے ہوئے کہا۔

منیجر کاؤنٹر سے نکل کر جولیا کے قریب آ گیا۔

''میڈم! آپ تشریف رکھیں کافی اور آ جاتی ہے۔'' ------ اس نے اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہا حالانکہ وہ چہرے سے انتہائی سخت گیر معلوم ہو رہا تھا۔

''کیا تم اس بار کے مالک ہو'' ------ جولیا نے غصے سے اس کی طرف گھوم کر کہا۔

''نہیں میڈم۔اس بار کے مالک مسٹر رویا ہیں۔'' ------ منیجر نے جواب دیا۔اب اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی تھی۔

''تو میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

جولیا نے کہا۔

''باس آپ سے ملنا ضرور پسند کریں گے کیونکہ آپ جیسی تتلیاں انہیں اچھی لگتی ہیں۔''

منیجر نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''شٹ اپ۔''

جولیا چیخی اور اس کا ہاتھ گھوم گیا۔

منیجر کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ پڑا تھا۔لوگ سکتے میں آ گئے۔ منیجر کی آنکھوں میں سرخی آ گئی۔اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔اس سے

پہلے کہ اس کا ہاتھ جیب سے باہر آتا۔سیڑھیوں پر روپا نظر آیا۔

"کیا ہنگامہ ہو رہا ہے۔"

روپا نے گرجدار آواز میں کہا۔

اس آواز کو سنتے ہی ہال میں افراتفری مچ گئی۔جولیا کے اردگرد کھڑے غنڈے تیزی سے اپنی اپنی میزوں کی طرف چلے گئے۔

منیجر کا چہرہ غصے سے سرخ تھا مگر اس نے اپنے لہجے کو مودبانہ بناتے ہوئے روپا سے ساری تفصیل بیان کی۔

"تو تم ہو روپا۔اس بار کے مالک۔"——جولیا نے لاپرواہی سے روپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

روپا نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارے بار میں ایسی سڑی ہوئی گندی کافی لوگوں کو پلائی جاتی ہے۔"——جولیا نے کافی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم میرے ساتھ دفتر چلو وہیں آرام سے بات کریں گے۔"روپا کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔وہ بہت غور سے جولیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیوں یہاں بات کرنے میں کیا حرج ہے"——جولیا نے پوچھا۔

"شائد تم ڈر رہی ہو میڈم۔میرے خیال میں یہاں کے ماحول سے میرے کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنا زیادہ بہتر ہے۔"——روپا

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے کیوں ڈروں گی۔ کیا تم مجھے کھا جاؤ گے۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔'' ——— جولیا نے کہا اور وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے۔

بلیک زیرو اپنی میز پہ بیٹھا اطمینان سے سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے ہنگامہ میں کوئی دخل نہ دیا بلکہ خاموشی سے بیٹھا کافی پیتا رہا۔ ان کے اوپر جانے کے بعد ہال میں جولیا کے متعلق چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں اور منیجر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا اب بھی اپنا گال سہلا رہا تھا۔ شائد تھپڑ کافی زوردار تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ——— روپا کی آواز بلیک زیرو کے کانوں میں آئی۔ پھر جولیا کے دھم سے صوفے پر بیٹھنے کی آواز آئی۔ روپا نے گھنٹی بجائی فوراً ایک ویٹر کمرے میں آیا۔

''بہترین کافی تیار کروا کر لاؤ۔'' ——— روپا نے ویٹر سے کہا اور ویٹر ادب سے سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

''میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' ——— روپا نے جولیا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''مجھے جولیا کہتے ہیں۔''

جولیا نے اصل نام بتا دیا۔

''جولیا۔''

روپا چونک پڑا اور پھر بغور جولیا کو دیکھنے لگا۔

''تم چونکے کیوں؟''

جولیا نے حیرت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ کسی زمانے میں میری ایک دوست کا نام بھی جولیا تھا۔'' ــــــ روپا نے مبہم سا جواب دیا۔

اتنے میں ویٹر کافی لے آیا۔ روپا نے کافی بنائی اور ایک مگ اٹھا کر جولیا کے سامنے رکھ دیا۔ جولیا روپا کو بغور دیکھ رہی تھی۔

اس کے چونکنے سے وہ کھٹک سی گئی تھی کہ روپا اسکی اصلیت پہچانتا ہے۔ اسے شک تھا کہ وہ کافی میں ضرور کوئی خواب آور دوائی ملائے گا۔ لیکن بغور دیکھنے کے باوجود اسے ایسی کوئی حرکت نظر نہیں آئی۔ چنانچہ وہ کافی کی طرف سے مطمئن ہو گئی۔

''ہاں تو مس جولیا آپ کا پورا نام کیا ہے؟'' ــــــ روپا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''جولیانا فٹنر واٹر'' ــــــ جولیا نے اطمینان سے جواب دے کر کافی کا ایک لمبا گھونٹ لیا۔

''کیا تم عمران کو جانتی ہو''

اچانک روپا نے پوچھا۔

اور کافی کا مگ جولیا کے ہاتھوں سے گرتے گرتے بچا۔ کیونکہ اسکے گمان میں بھی نہیں تھا کہ روپا عمران کے بارے میں یوں براہ راست سوال کرے گا۔

''تم عمران کو کیسے جانتے ہو'' ــــــ جولیا نے حواس بجا لاتے

ہوئے کہا۔

''عمران اور اس کے ساتھیوں کو میں نے گرفتار کر لیا ہے مس جولیا'' ——— روپا نے کہا اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ریوالور چمکنے لگا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم بھی عمران وغیرہ کی ساتھی نکلی ورنہ میرا خیال تھا کہ کچھ دن تمہارے ساتھ لطف اٹھاتا'' ——— روپا نے سخت لہجے میں کہا اور جولیا چونک کر کھڑی ہوگئی۔

''تو کیا تم مجھے گولی مار دو گے'' ——— جولیا نے خوفزدہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔

''نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ تم خصوصاً میرے بار میں کیوں آئی ہو اور پھر خاص طور پر جھگڑا کیا میرے خیال میں تم مجھ سے ملنا چاہتی تھی اس کا مطلب ہے کہ تمہارا کوئی ساتھی تمہاری نگرانی بھی کر رہا ہے۔ پہلے میں اسے چیک کر لوں'' ——— یہ کہہ کر اس نے ایک ہاتھ سے میز پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا چند لمحے بعد ایک غنڈہ ہاتھ میں مشین گن لئے کمرے کے اندر آ گیا۔

''مس جولیا اپنے پرس سے پسٹل نکال کر میز پر رکھ دو ورنہ میرا یہ ساتھی تمہارے لباس میں بھی ہاتھ ڈالنے سے گریز نہیں کرے گا۔'' ——— روپا نے اطمینان سے کہا۔

''میرے پاس کوئی پسٹل نہیں ہے اور کیا تم مجھے اس لئے یہاں لائے تھے۔ عمران کے ساتھ میری صرف دوستی ہے۔ میں اس کے کسی

جرم میں شریک نہیں ہوں۔“ ——— جولیا نے احتجاجاً کہا۔

”شٹ اپ۔ شرافت سے پسٹل میز پر رکھ دو۔“ ——— روپا نے تلخ لہجے میں کہا۔

جولیا ایک لمحے کے لئے ہچکچائی لیکن پھر غنڈے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے پرس سے پسٹل نکال کر میز پر رکھ دیا۔

”شکریہ۔“

روپا نے تیکھے انداز میں کہا۔

”اب میں دیکھتا ہوں تمہارے ساتھ کون ہے۔۔“ ——— یہ کہہ کر اس نے میز پر لگے ہوئے بٹن کو دبایا۔

بلیک زیرو یہ سن کر فورا میز سے اٹھا اس نے بل پہلے ہی ادا کر دیا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا بار سے باہر نکل آیا۔اس نے کار سٹارٹ کی اور تھوڑی دور واقع ایک کیفے میں جا کر بیٹھ گیا۔

روپا کے بٹن دبانے کے چند لمحے بعد ایک ویٹر پھرتی سے کمرے میں داخل ہوا۔

”یس سر۔“

”منیجر کو بلاؤ۔“

”او کے سر۔“

ویٹر واپس چلا گیا۔

چند لمحے بعد جس کو جولیا سے تھپڑ پڑا تھا وہ منیجر اندر داخل ہوا اور اندر کی سچوئیشن دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔

''ٹونی۔ وین کا انتظام کرو۔ مس صاحبہ کو نمبر 16 لے جانا ہے۔''

''اوکے باس۔''——ٹونی غصیلی اور بھرپور نظروں سے جولیا کو دیکھتا ہوا واپس مڑ گیا۔

''تم اس کا خیال رکھو میں اس کے ساتھی کا پتہ کرتا ہوں۔'' روپا نے غنڈوں سے کہا اور خود باہر نکل آیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر ہال میں داخل ہوا اور پھر اس نے گہری نظروں سے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا لیکن اسے وہاں کوئی بھی مشکوک شخص نظر نہیں آیا۔

ادھر بلیک زیرو وین کا لفظ سن کر کیفے سے باہر نکل آیا اور ٹہلتے ٹہلتے روپا بار کی پچھلی گلی میں آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ روپا بار کا ایک دروازہ پچھلی گلی میں واقع ہے۔ اس لئے اسے امید تھی کہ وین اسی گلی میں کھڑی ہوگی اور واقعی ایک سیاہ رنگ کی وین وہاں کھڑی تھی۔ وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا وین کے قریب آیا وین میں کوئی آدمی نہیں تھا شائد ڈرائیور کو اطلاع کرنے گیا تھا۔ بلیک زیرو نے جلدی سے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا اس کے ساتھ ایک سلوشن ٹیپ لگا ہوا تھا۔ اس نے پھرتی سے وین کے پچھلے بمپر کے نیچے اس ڈبے کو چپکا دیا اور پھر خود مطمئن انداز میں چلتا ہوا گلی پار کر گیا۔ یہ تعاقب کرنے کا انتہائی انوکھا اور محفوظ ترین انداز تھا اور عمران کی ایجاد تھی۔ اس ڈبے میں ایک مخصوص بے رنگ قسم کا سیال تھا جو دھیرے دھیرے سڑک پہ گرتا چلا جاتا تھا۔ اسے ہر شخص نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک مخصوص قسم کی

عینک پہننے پر یہ سڑک پر دور سے چمکتا تھا اور تعاقب کنندہ وہ عینک پہن کر بڑے آرام سے اس سیال کو دیکھتا ہوا تعاقب کرتا رہتا۔ یہ انتظام کر کے بلیک زیرو دوبارہ کیفے میں آ کر بیٹھ گیا۔

اس دوران اس نے سنا کہ جولیا کو پستول مار کر بے ہوش کر دیا گیا اور روپا اسے وین میں ڈالنے کے احکامات دے رہا تھا۔ جولیا کو وین میں لاد دیا گیا اور پھر وین چل پڑی۔ روپا نے ڈرائیور کو تعاقب کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت کی۔

ادھر بلیک زیرو بڑے اطمینان سے کیفے میں بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اس نے بل ادا کیا اور کار لے کر وین کے پیچھے چل پڑا اور اس نے وہ عینک پہن رکھی تھی اور سڑک پر چمکتا ہوا سیال اسے بخوبی نظر آ رہا تھا۔

ایک بڑے ہال میں عمران ،کیپٹن شکیل ،جوزف ،صدیقی ،جولیا صفدر اور سپرنٹنڈنٹ فیاض کرسیوں پر بندھے بیٹھے تھے۔یہ مجرموں کا مقامی ہیڈکوارٹر تھا۔چار غنڈے ہاتھوں میں مشین گنیں لئے ہال کے چاروں کونوں میں کھڑے تھے اور ہال میں تین نقاب پوش بھی موجود تھے۔تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک نے کہا۔

''باس ابھی تک نہیں آیا۔''

''اس نے کہا تو ہے کہ وہ آ رہا ہے۔دیکھو کب پہنچتا ہے۔''

دوسرے نے جواب دیا۔

''بھائی صاحب۔پانی تو پلا دو۔''——کافی دیر کی خاموشی سے عمران کی زبان کھجلانے لگی تھی۔

''باس کے آنے پہ سب کچھ ملے گا۔ابھی خاموش رہو۔''——ایک نقاب پوش نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''تو کیا تمہارا باس ماشکی ہے''۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔لیکن وہ شخص ماشکی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

''ماشکی کیا؟''

اس نے ازراہ تجسس پوچھ لیا۔

''ماشکی ہمارے ہاں ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو بہت سخی ہو''

''خاموش رہو کیونکہ باس آرہا ہے''

نقاب پوش نے جلدی سے کہا۔کیونکہ ہال میں لگا ہوا سرخ بلب اچانک جلنے لگا تھا۔

''تو کیا میں تمہارے باس سے ڈرتا ہوں''۔۔۔۔۔۔۔۔ عمران نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

''شٹ اپ''۔۔۔۔۔۔۔ نقاب پوش غصے سے چیخ پڑا۔

''بری بات۔ چیخنے سے انسان کو سرطان ہو جاتا ہے''۔۔۔۔۔۔ عمران نے اسی لہجے میں کہا۔

اس سے پہلے کہ نقاب پوش کوئی جواب دیتا دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا طویل قامت نقاب پوش اندر داخل ہوا۔سب نقاب پوش اس کو دیکھتے ہی ادب سے کھڑے ہو گئے۔عمران نے بھی اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں وہ کرسی سمیت فرش پر لڑھک گیا۔

باس کے اشارے پر ایک غنڈے نے اسے پکڑ کر سیدھا کیا۔

''شکریہ بھائی صاحب''۔۔۔۔۔۔۔ عمران یوں ہانپنے لگا جیسے میلوں چل کر آیا ہو۔اس کے چہرے پر حماقتیں بھرپور انداز میں جلوہ گر ہو

رہی تھیں۔ باس ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"عمران کون ہے؟"

اس کی گھمبیر آواز ہال میں گونجی۔

"یہ ہے۔" ـــــ ایک نقاب پوش نے عمران کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے سر ہلا دیا۔

"باقی کون ہیں؟" ـــــ اس نے دوبارہ پوچھا۔

"میرے باراتی ہیں حضور۔" ـــــ عمران کا لہجہ انتہائی فدویانہ تھا۔

"شٹ اپ۔" ـــــ باس نے ڈانٹا اور عمران یوں ڈر کر سمٹ گیا جیسے اسکا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

"یہ اس کے ساتھی ہیں۔" ـــــ ایک نقاب پوش نے جولیا، جوزف، صدیقی اور کیپٹن شکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھر صفدر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ اسپیشل برانچ کا جاسوس ہے اور پھر فیاض کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ یہاں کی مقامی سی آئی ڈی کا سپرنٹنڈنٹ ہے۔

"ٹھیک ہے۔" ـــــ باس نے سر ہلا دیا وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

"نمبر سکسٹین کہاں ہے۔" ـــــ اس نے ایک نقاب پوش سے پوچھا۔

"بلیک روم میں سر۔" ـــــ نقاب پوش نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

''اسے بلاؤ''

اور نقاب پوش کے اشارے پر دروازے کے پاس کھڑا ہوا غنڈہ باہر چلا گیا۔ چند لمحے بعد ایک نقاب پوش اندر داخل ہوا۔

''سامان تیار ہے''۔۔۔۔۔۔ باس نے اس سے پوچھا۔

''یس سر''۔۔۔۔۔۔ نمبر سکسٹین نے سر جھکا کر کہا۔

''لے آؤ''۔۔۔۔۔۔ باس نے کہا۔

عمران سوچ رہا تھا کہ کون سا سامان ہوگا۔ شائد یہ لوگ یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔

چند لمحے بعد اس نے برا سا منہ بنایا کیونکہ وہ نقاب پوش اندر داخل ہوا تو اس نے ہاتھ میں الیکٹرک کاویہ اٹھایا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اذیت کے سامان کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ کاویہ ایک چھوٹا اوزار ہوتا ہے جس سے الیکٹرک وائروں میں جوڑ لگائے جاتے ہیں۔ یعنی اب اس کاویہ سے ان میں سے کسی کے جسم کو جلایا جائے گا۔

''عمران کو آگے لے آؤ''۔۔۔۔۔۔ باس نے حکم دیا۔

اور اس نقاب پوش نے عمران کو کرسی سمیت اٹھا ہال کے ایک ستون کے پاس لا کر رکھ دیا۔ باس اس ستون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

''اس کی شرٹ پھاڑ ڈالو''۔۔۔۔۔۔ اور ایک غنڈے نے اسکی شرٹ پھاڑ ڈالی

''ارے ارے ظالمو اتنی قیمتی شرٹ کا ستیاناس کر دیا''۔۔۔۔۔۔ عمران نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا

''کوئی بات نہیں۔ نئی مل جائے گی۔'' ۔۔۔۔۔ باس نے اطمینان سے کہا۔

''اچھا پھر ٹھیک ہے۔'' ۔۔۔۔۔ عمران جیسے مطمئن ہو گیا۔

''لگاؤ۔'' ۔۔۔۔۔ باس نے آہستہ سے کہا۔

اور ان میں سے ایک نقاب پوش نے کادیہ کا سوچ پلگ میں لگایا اور ایک منٹ میں جب کادیہ سرخ ہو گیا تو اس نے اسے عمران کے بازو کی طرف بڑھایا۔

ادھر بلیک زیرو سیال کی مدد سے تعاقب کرتا ہوا دارالحکومت آ پہنچا۔ تعاقب کنگ کالونی کی ایک وسیع و عریض کوٹھی پر آ کر ختم ہو گیا۔ کوٹھی پر کوئی نمبر پلیٹ موجود نہ تھی اور کوٹھی کا گیٹ بھی بند تھا۔ اس نے کافی آگے جا کر ایک چھوٹی سی گلی میں اپنی کار روکی اور خود اتر کر کوٹھی کی پچھلی طرف آ گیا۔ اندھیرا کافی بڑھ گیا تھا۔ اس لئے اس کے دیکھے جانے کے امکانات بہت کم تھے۔

کاویہ عمران کے بازو سے چمٹ گیا۔گوشت کے جلنے کی بدبو اندر ہال میں پھیل گئی۔جولیا نے آنکھیں بند کر لیں۔لیکن عمران کے چہرے پر ایک شکن بھی نہ آئی اب اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی طاری تھی۔کیپٹن شکیل سوچ رہا تھا کہ یہاں سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے مگر کوئی ترکیب اسکی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''آخر تم یہ تشدد کیوں کر رہے ہو''۔۔۔۔۔۔عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تاکہ تم بتا سکو کہ ایکسٹو کون ہے۔''۔۔۔۔۔۔باس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''میں نے بتایا تو ہے کہ ایکسٹو میرے پالتو طوطے کا نام ہے۔''

''تم فکر نہ کرو ابھی یہ طوطا انسان میں بدل جائے گا۔''

''اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ کاویہ جادو کا ہے۔''

"ہاں۔"

اور پھر اسکے اشارے نقاب پوش نے کاویہ دوبارہ عمران کے بازو پر لگا دیا۔ اب عمران کے بازو کی چربی بھی نظر آنے لگی۔ عمران کی آنکھوں میں وحشت کی جھلکیاں نظر آنے لگیں۔

کیپٹن شکیل نے آخر ایک ترکیب سوچ ہی لی۔ بازو کی رسیاں کھولنا تو اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ اس سلسلے میں تو اس کے ہاتھ کا مخصوص کنگن ہی کافی تھا۔ لیکن اصل مسئلہ ہال کی سچویشن پر قابو پانا تھا۔ اس سے عمران کی تکلیف برداشت نہ ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ نہ کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور چند لمحوں بعد اس کے ہاتھ رسیوں سے آزاد ہو چکے تھے۔ عمران اب بالکل خاموش تھا اس کے دونوں بازوؤں پر کافی زخم آچکے تھے۔ لیکن اس کے منہ سے ایک سسکی بھی نہ نکلی تھی۔

کیپٹن شکیل نے آزاد ہوتے ہی ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ سب لوگوں کی توجہ عمران کی طرف تھی۔ اس کی کرسی ایک کونے میں تھی اور اس سے چند قدموں پر ایک غنڈہ مشین گن لئے کھڑا تھا۔ اس نے سوچا اگر میں اس مشین گن پر قابو پا لوں تو شائد کوئی بات بن جائے۔ غنڈہ بھی عمران کی طرف متوجہ تھا۔ کیپٹن شکیل نے بیٹھے بیٹھے جمپ لگایا اور دوسرے لمحے مشین گن اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کی ہتھیلی کی ایک ہی ضرب غنڈے کی گردن توڑ چکی تھی۔ تمام لوگ چونک پڑے۔ ایک لمحے کے لئے چویشن کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ اسی لمحے مشین گن چلی اور باقی تینوں غنڈے مشین گنوں سمیت فرش پر ڈھیر ہو چکے تھے۔ لیکن دوسرے لمحے تمام نقاب پوشوں کے ہاتھوں میں ریوالور چمکے۔ باس اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا تھا۔ کیپٹن شکیل کی مشین گن کا رخ اس کی طرف ہوا لیکن اسی لمحے ایک نقاب پوش کے ریوالور سے گولی چلی اور مشین گن

کیپٹن شکیل کے ہاتھوں سے گر گئی۔گولی اس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔لیکن اس سے پہلے کہ دوسری گولی کیپٹن شکیل کے جسم میں لگتی اچانک روشندان سے ایک فائر ہوا اور ہال میں جلنے والی ٹیوب لائٹ بجھ گئی اور ہال میں اندھیرا چھا گیا۔یہ فائر یقیناً بلیک زیرو نے کیا تھا۔کیپٹن شکیل نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور اندازے کے مطابق وہاں جا گرا جہاں ان کا باس کھڑا تھا۔لیکن اندھیرے میں وہ ستون سے جا ٹکرایا جس کے ساتھ کاویہ لگا ہوا تھا وہ پھرتی سے اٹھا لیکن پھر وہ عمران کی کرسی سے جا ٹکرایا اس نے کنگن استعمال کیا اور پھر عمران بھی رسیوں سے آزاد تھا۔عمران پھرتی سے زمین پر رینگ گیا۔ہال میں گولیاں چل رہی تھیں۔

اچانک ایک چیخ ابھری یہ چیخ جوزف کی تھی شائد اسے گولی لگ گئی تھی۔کیپٹن شکیل نے فائر سے ہونے والی روشنی میں چھلانگ لگائی اور اب کی بار اس کا ہاتھ نقاب پوش تک گیا تھا۔اس کا ہاتھ مخصوص انداز میں چلا اور نقاب پوش کی چیخ فضا میں گونج اٹھی۔کنگن کے مخصوص استعمال سے اس کی گردن کٹ گئی تھی۔ہال میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔

عمران کونے میں پڑی مشین گن کی طرف لپکا لیکن ابھی مشین گن دور ہی تھی کہ کوئی اس پر آ پڑا۔عمران نے پھرتی سے ٹانگیں چلائیں۔لیکن مقابلے میں جو شخص تھا وہ تقریباً اس سے چمٹ چکا تھا۔وہ بھی کافی طاقتور معلوم ہو رہا تھا۔اتنے میں عمران کے ہاتھ میں اس کا بازو آ گیا۔

اس نے جھٹکے سے اس کا بازو مروڑ دیا۔ پھر اس کی گردن پر زور دار ہاتھ مارا۔اس کی گردن پر صرف خراشیں آئیں۔ اتفاق سے اس کی گردن ایک طرف نہ جھک گئی ہوتی تو یقیناً کاری زخم آتا۔عمران کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا کہ کہیں یہ کیپٹن شکیل نہ ہو۔

''شکیل۔'' ـــــــ اس کے منہ سے نکلا اور دوسرے لمحے مقابل ایک طرف ہوگیا۔

''عمران صاحب۔'' ـــــــ وہ واقعی کیپٹن شکیل تھا۔عمران اس کے خونی کنگن سے بال بال بچا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ۔تم نے تو مجھے مار ہی دیا تھا۔'' ـــــــ عمران نے گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

گردن سے خون رس رہا تھا کیونکہ خون کی چپچپاہٹ عمران کو اپنے ہاتھوں پر محسوس ہوئی۔ہال میں اب سکون تھا۔شاید نقاب پوش ہال سے نکلنے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

اتنے میں روشندان سے ٹارچ کی روشنی اندر آئی۔

''عمران جلدی سے اپنے ساتھیوں کو رہا کرو۔ وہ مجرم نکل گئے ہیں۔'' ـــــــ آواز ایکسٹو کی تھی۔

جولیا نے جو کرسی سمیت فرش پر تھی اطمینان کی سانس لی۔ ہال واقعی نقاب پوشوں سے خالی تھا۔

''ٹارچ ادھر اُدھر ڈالئے۔ شاید کوئی دوسری ٹیوب لائٹ موجود ہو۔'' ـــــــ عمران نے ہانک لگائی۔

اور پھر ٹارچ کی روشنی میں اسے ایک اور ٹیوب لائٹ نظر آ گئی۔ اس نے پھرتی سے بورڈ کے بٹن دبانا شروع کر دیئے۔ایک بٹن کے دبانے سے ہال روشنی سے جگمگا اٹھا۔عمران اور کیپٹن شکیل نے پھرتی سے سب کی رسیاں کھول دیں۔ جوزف کا بازو زخمی تھا۔اتنے میں بلیک زیرو روشندان توڑ چکا تھا اور دوسرے لمحے اس نے ہال میں چھلانگ لگا دی وہ پیروں کے بل فرش پر آ گرا۔

''عمران اور کیپٹن شکیل کے علاوہ سب لوگ چلے جائیں۔عمران تم کار ڈرائیو کر سکتے ہو'' ——— بلیک زیرو نے کہا۔ اس کی نظر عمران کے بازوؤں پر تھی جو زخموں سے پر تھے۔

''بالکل۔'' ——— عمران نے کہا۔

''تو چلو میرے ساتھ۔''

اور پھر عمران ،کیپٹن شکیل اور بلیک زیرو ہال سے باہر نکل آئے ساری کوٹھی خالی تھی۔وہ تینوں بھاگتے ہوئے پھاٹک پر پہنچے بلیک زیرو نے دیکھا کہ سیاہ وین بھی غائب تھی۔پھاٹک کھلا ہوا تھا۔وہ تینوں دوڑتے ہوئے سڑک پر آئے۔

''طوطے اڑ گئے باس۔'' ——— عمران نے بلیک زیرو سے مخاطب ہو کر کہا۔کیونکہ سڑک بالکل صاف تھی۔

''نہیں تم چلو۔''

اور پھر وہ بلیک زیرو کے پیچھے بھاگنے لگے۔گلی میں اس کی کار کھڑی تھی۔

"لیکن۔"

عمران نے کچھ کہنا چاہا۔

"شٹ اپ۔ جلدی کرو وقت کم ہے۔" ــــــ ایکسٹو نے سخت لہجے میں کہا اور عمران سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کار میں بیٹھ گیا۔ بلیک زیرو نے نقاب اتار دیا۔کیپٹن شکیل نے جلدی سے اس کے چہرے پر نظر ڈالنی چاہی۔

"میں میک اپ میں ہوں شکیل۔"

بلیک زیرو کیپٹن شکیل کا ارادہ بھانپ چکا تھا۔کیپٹن شکیل جھینپ کر رہ گیا۔کار میں چونکہ اندھیرا تھا اس لئے کیپٹن شکیل اسے اچھی طرح نہ دیکھ سکا پھر دوسرے لمحے بلیک زیرو نے وہ مخصوص عینک پہن لی۔ اسے دیکھ کر عمران نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ مجرم کہیں نہیں جا سکتے۔ان کی کار تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی ہوئی بھاگی چلی جا رہی تھی۔کیپٹن شکیل حیران تھا کہ باس کہاں جا رہا ہے۔جبکہ مجرموں کی کار کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔وہ ابھی تک تعاقب کے اس طریقے سے ناواقف تھا۔اس لئے اس کی حیرت بجا تھی۔

کار دوڑتی رہی پھر اس کا رخ ساحل سمندر کی طرف ہو گیا۔عمران سمجھ گیا کہ مجرم سمندر کے راستے بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔تھوڑی دیر بعد ان کی کار سمندر سے کافی دور ایک گودی کی طرف مڑ گئی۔جب وہ ایک موڑ مڑ کر آگے بڑھے تو سمندر کے کنارے مجرموں کی وین نظر آ گئی مجرم ایک لانچ پر سوار ہو رہے تھے۔جب ان کی کار ساحل کے

قریب پہنچی۔ مجرموں کی لانچ سمندر میں کافی دور جا چکی تھی۔ بلیک زیرو عمران اور کیپٹن شکیل پھرتی سے کار سے نکلے۔انہوں نے ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی لانچ یا کشتی انہیں نظر نہیں آئی۔

کیپٹن شکیل مایوسی سے ہاتھ ملنے لگا۔ لیکن بلیک زیرو نے جیب سے ایک ٹرانسمیٹر نکال لیا وہ اس پر کسی سے رابطہ کر رہا تھا۔

''ہیلو نیول ہیڈکوارٹر۔ ہیلو نیول ہیڈکوارٹر۔اوور۔''——وہ تیزی سے بول رہا تھا۔عمران بڑے اطمینان سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔زخموں کی وجہ سے اس کی تکلیف کافی بڑھ گئی تھی۔دوسرے سمندر کی ہوا نے جیسے اس کے زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا۔لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''یس نیول ہیڈکوارٹر۔اوور۔''——ٹرانسمیٹر سے دوسری آواز ابھری۔

''ایکسٹو سپیکنگ۔اوور۔''

''کوڈ سر۔ اوور۔''——دوسری طرف سے شائد آپریٹر تھا۔

''سکس سیون سکس ایکسٹو۔جلدی سے نیول کمانڈر سے رابطہ کراؤ۔اوور۔''

''اوکے سر۔ اوور۔''

چند لمحوں بعد نیول کمانڈر لطیف الرحمٰن کی آواز ٹرانسمیٹر پر ابھری۔

''یس۔ نیول کمانڈر لطیف الرحمٰن سپیکنگ۔ اوور۔''

''ایکسٹو۔ دیکھئے ایک لانچ مجرموں کو لے کر گودی نمبر 5 سے کسی

نامعلوم مقام کی طرف گئی ہے۔اپنی تمام فورس کو اطلاع کر دو اور ایک تیز رفتار لانچ گودی نمبر 5 پر بھجوا دو جلدی۔ اوور۔" ـــــــ بلیک زیرو نے حکم دیا اور کیپٹن شکیل ایکسٹو کے اختیارات پر ششدر رہ گیا۔

"او کے سر۔اوور۔"

"اوور اینڈ آل ۔" ـــــــ بلیک زیرو نے یہ کہہ کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا اور پھر اسے جیب میں ڈال لیا اور پھر کیپٹن شکیل کو حکم دیا کہ کار کی ڈگی میں سے تین مشین گنیں اور بیس پچیس ٹائم بم نکال کر لائے۔کیپٹن شکیل تیزی سے کار کی پچھلی طرف بڑھ گیا۔کوئی پندرہ منٹ بعد ایک تیز رفتار لانچ تیزی سے ان کی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔وہ لانچ ساحل پر رکی اور وہ تینوں پھرتی سے اس پر سوار ہو گئے۔

"تم یہیں رہو۔" ـــــــ بلیک زیرو نے لانچ چلانے والے سے کہا اور خود لانچ چلانے لگا۔لانچ واقعی تیز رفتار تھی اور بلیک زیرو اسے پوری سپیڈ سے چلا رہا اس کا رخ اُدھر تھا جدھر مجرموں کی لانچ گئی تھی۔

مجرموں کی لانچ پوری تیزی سے سمندر میں بڑھی چلی جا رہی تھی۔ اس پر چار آدمی تھے۔اب انہوں نے نقاب اتار دیئے تھے۔وہ چاروں کے چاروں غیر ملکی تھے۔ان کا باس دوربین لگائے پیچھے دیکھ رہا تھا۔

"مشرق کی طرف چلو۔"——اس نے لانچ چلانے والے کو حکم دیا اور لانچ کا رخ مشرق کی طرف ہو گیا۔

"باس۔ مجھے حیرت ہے کیپٹن شکیل نے رسیوں سے ہاتھ کیسے آزاد کرا لیے۔"——ان میں سے ایک آدمی نے باس کو مخاطب ہو کر کہا۔

"شٹ اپ۔تم لوگوں کی بے وقوفی نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"باس۔فکر کی کیا بات ہے۔ فائل ہمارے پاس محفوظ ہے۔ہم ان

کی پہنچ سے بہت دور نکل آئے ہیں۔"——— اسی آدمی نے کہا۔

"دراصل غلطی مجھ سے ہوئی۔ مجھے فوراً میجر آپریشن شروع کرا دینا چاہیے تھا۔ میں ایکسٹو کے چکر میں پڑ گیا۔"——— باس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"باس۔ میجر آپریشن تو اب بھی ہو سکتا ہے۔"——— ان میں سے ایک نے کہا۔

"نہیں اب وہ پوری طرح چوکنے ہو گئے ہیں اور پھر اب ایکسٹو کی ٹیم بھی میدان میں آ گئی ہے۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ایکسٹو کا پتہ چلانے کی بجائے ان لوگوں کو گولی مار دیتے۔ اکیلا ایکسٹو کیا کر سکتا تھا۔"

"باس آگے ایک چوکی ہے۔"

اچانک لانچ چلانے نے کہا۔

"چوکی سے کترا کر چلو۔"

باس نے حکم دیا۔

اور لانچ کا رخ تبدیل ہو گیا لیکن پھر انہیں ایک لانچ اپنی جانب آتی ہوئی نظر آئی۔

"خطرہ۔"

باس نے کہا۔

اور اب پھر ان کے ہاتھوں میں مشین گنیں نظر آ رہی تھیں۔

"جتنا تیز چلا سکتے ہو چلاؤ۔"

باس نے حکم دیا۔

اور لانچ جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔اب وہ پوری سپیڈ سے چل رہی تھی۔ان کی جانب آنے والی لانچ کافی پیچھے رہ گئی تھی۔شائد وہ اتنی تیز رفتار نہ تھی۔

"اور تیز چلاؤ۔"——باس نے چیختے ہوئے کہا۔

"باس۔ لانچ آخری سپیڈ پر چل رہی ہے۔"——لانچ چلانے والے نے کہا پھر ان کی لانچ کی رفتار یکدم آہستہ ہو گئی۔

"کیا ہو گیا"——باس غصے سے چیخا۔

"باس۔ پٹرول ختم ہو گیا"——لانچ چلانے والے نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"——باس کے ساتھ سبھی چونک پڑے۔

اور پھر باس کی مشین گن سے ایک شعلہ نکلا اور لانچ چلانے والا ایک زوردار چیخ مار کر اُچھلا اور سیدھا سمندر میں جا گرا۔

"گدھا"——باس نے غراتے ہوئے کہا۔

"اب کیا کریں باس ۔تعاقب کرنے والی لانچ جلد ہی ہمیں پکڑ لے گی۔"

"جلدی سے غوطہ خوری کا لباس پہن لو۔ یہاں سے منزل زیادہ دور نہیں ہے۔"——باس نے کہا۔

اور پھر چند ہی منٹ بعد چاروں غوطہ خوری کا لباس پہن کر سمندر میں کود گئے۔لانچ سمندر کے سینے پر ڈول رہی تھی۔اس کا انجن بند ہو چکا تھا۔

عمران کی لانچ انتہائی تیز رفتاری سے سمندر کا سینہ چیرتی چلی جا رہی تھی اس کا رخ اس چوکی کی طرف تھا جہاں سے انہیں اطلاع ملی تھی کہ ایک لانچ دیکھی گئی ہے۔تھوڑی دیر بعد انہیں ایک لانچ اپنی جانب آتی نظر آئی۔ اس کا رنگ اور اس پر لگا جھنڈا بتا رہا تھا کہ وہ سرکاری لانچ ہے۔تھوڑے سے وقفے کے بعد وہ لانچ ان کے قریب پہنچ گئی۔

''کدھر گئی ہے وہ لانچ۔''——عمران نے چیخ کر پوچھا۔

''اس جانب۔''——نیوی آفیسر نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور ان کی لانچ پھر تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔کافی دور انہیں سمندر کے سینے پر ایک لانچ تیرتی ہوئی نظر آئی۔جب وہ اس کے قریب پہنچے تو وہ خالی تھی۔ اس کا انجن بند تھا۔ان کی لانچ اس لانچ کے قریب آ کر رک گئی۔عمران اور کیپٹن شکیل پھرتی سے اس لانچ پر چڑھ گئے۔

''سر۔ اس کا پٹرول ختم ہوگیا ہے۔''۔۔۔۔۔۔ عمران نے بلیک زیرو کو بتایا۔

''ہوں۔ تو مجرم کہاں گئے''۔۔۔۔۔۔ بلیک زیرو نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ کیونکہ دور دور تک سمندر سپاٹ تھا۔ ساحل بھی وہاں سے کافی دور تھا۔ اس لئے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ مجرم تیر کر ساحل پر جا پہنچے ہوں۔

''باس۔ یہاں غوطہ خوری کا سامان پڑا ہوا ہے۔''۔۔۔۔۔۔ اتنے میں کیپٹن شکیل کی آواز آئی۔ وہ اس کے کیبن کی تلاشی لے رہا تھا۔

''اب سمجھ میں آگیا ہے مجرم غوطہ خوری کا لباس پہن کر سمندر میں اتر گئے ہیں۔''۔۔۔۔۔۔ بلیک زیرو نے جواب دیا۔

اتنے میں سرکاری لانچ بھی ان کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''تم لوگوں کے پاس غوطہ خوری کا سامان ہے''۔۔۔۔۔۔ عمران نے ان سے پوچھا۔

''یس سر۔''۔۔۔۔۔۔ ان کے آفیسر نے جواب دیا۔

''ہم تینوں کے لئے دے دو۔''۔۔۔۔۔۔ بلیک زیرو نے کہا اور پھر تینوں کے لئے غوطہ خوری کا سامان اور آکسیجن سلنڈر ان کے پاس پہنچ گئے۔ تینوں نے جلدی سے وہ لباس پہنے۔ پھر انہوں نے پانی میں چلنے والی مخصوص گنیں لیں اور انہیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر سمندر میں کود گئے۔ وہ کافی دور تک سمندر میں تیرتے رہے۔ لیکن انہیں کوئی شخص نظر نہ آیا۔

"ادھر کوئی چیز ہے۔"------ بلیک زیرو اور عمران کے کانوں میں کیپٹن شکیل کی آواز ابھری۔ یہ مخصوص طرز کا ٹرانسمیٹر نما آلہ ہر غوطہ خور کے لباس میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ تاکہ آپس میں آسانی سے بات چیت کر سکیں۔ اور وہ ادھر دیکھنے لگے جدھر کیپٹن شکیل نے اشارہ کیا تھا۔ انہیں کافی دور سمندر کے اندر ایک گھونگھا نما دھبہ سا نظر آیا۔ اتنا بڑا گھونگھا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نزدیک آکر ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ کیونکہ جس کو وہ گھونگھا سمجھ رہے تھے وہ ایک بڑی سی آبدوز تھی۔ جس کی شکل گھونگھے جیسی تھی۔ آبدوز پانی میں ساکت کھڑی تھی۔ وہ تیرتے ہوئے اس کے نزدیک آگئے لیکن آبدوز کا کوئی دروازہ نظر نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا۔ لیکن بے سود۔ ابھی وہ اسی الجھن میں تھے کہ کیا کیا جائے۔ اچانک انہیں آبدوز کی چھت میں ایک دروازہ کھلتا نظر آیا۔ وہ تینوں آبدوز کی مختلف سائیڈوں کی آڑ میں ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک غوطہ خور باہر نکلا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کیپٹن شکیل اس غوطہ خور کے زیادہ نزدیک تھا۔ چنانچہ وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور پھر اس سے قبل کہ وہ غوطہ خور چونکتا۔ کیپٹن شکیل اس سے لپٹ گیا۔ اچانک لگنے والے دھکے سے اس کے ہاتھ سے گن چھوٹ گئی۔ اس کے ہاتھ سے گن گرتی دیکھ کر کیپٹن شکیل نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے کیپٹن شکیل کی گن سے شعلہ نکلا اور پھر وہ غوطہ خور تڑپنے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ مردہ ہو کر سمندر کی سطح کی طرف جانے لگا۔

دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا چنانچہ وہ تینوں تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ چند لمحوں بعد وہ تینوں آبدوز میں داخل ہو چکے تھے۔ عمران سب سے آخر میں تھا۔ اس نے پلٹ کر آبدوز کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔

”میرے خیال میں غوطہ خوری کا لباس اتار دینا چاہیے۔ تاکہ لڑنے میں آسانی رہے۔“ —— عمران نے کہا۔

اور پھر بلیک زیرو کے سر ہلانے پر تینوں نے وہ لباس اتار دیئے۔ بلیک زیرو آگے بڑھا اس نے سائیڈ کا دروازہ کھولا تو ایک پستول کی نالی اس کے سینے پر لگ گئی۔

”سابولیٹ۔“ —— پستول والے آدمی نے کہا۔

لیکن بلیک زیرو نہیں جانتا تھا کہ اس کوڈ کے جواب میں کیا کہنا ہے۔ چنانچہ اس نے پھرتی سے پستول کی نالی پر ہاتھ ڈال دیا۔ پستول فوراً اس کے قبضے میں آ گیا۔ پستول والا بلیک زیرو کی شکل دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون ہے۔ ریوالور پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ چنانچہ بلیک زیرو نے لبلبی دبائی اور پھر پھرتی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ایک منٹ بعد وہ مردہ پڑا تھا۔ عمران اور کیپٹن شکیل بھی اندر آ گئے انہوں نے اس کی لاش اسی چھوٹے سے کمرے میں ڈال دی۔ یہ ایک لمبی سی گیلری تھی۔ جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے نزدیکی کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ کمرہ شائد سٹور تھا کیونکہ اس میں مختلف قسم کا اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ تینوں نے وہاں سے

مشین گنیں اٹھائیں اور آگے بڑھے اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتے ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص تیزی سے باہر آیا۔بلیک زیرو کی مشین گن نے شعلے اگلے۔مشین گن کی تڑتڑاہٹ میں اس کی چیخ دب گئی۔پھر یوں محسوس ہوا جیسے آبدوز میں افراتفری مچ گئی ہو۔وہ تینوں پھرتی سے اس کمرے میں گھس گئے جدھر سے وہ شخص باہر نکلا تھا۔اندر تین غیر ملکی کھڑے تھے۔عمران نے دیکھتے ہی پہچان لیا ان میں سے ایک وہی باس تھا۔حالانکہ اب اس کے منہ پر نقاب نہ تھا مگر اس کے جسم کی بناوٹ سے عمران سمجھ گیا تھا۔اپنی طرف تین مشین گنیں اٹھی دیکھ کر تینوں نے ہاتھ اٹھا دیئے۔اتنے میں گیلری میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔

''عمران تم دروازے کا خیال رکھو۔''۔۔۔۔۔۔بلیک زیرو نے مخصوص آواز میں کہا۔

اس سے جونہی ان کی توجہ ہٹی۔اچانک باس نے میز پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔

کیپٹن شکیل کی مشین گن گرجی دو نقاب پوش وہیں ڈھیر ہو گئے لیکن جس جگہ ان کا باس کھڑا تھا۔وہ جگہ اچانک نیچے چلی گئی اور باس نیچے غائب ہو گیا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور عمران کی گن چل پڑی۔

دروازے پر تین آدمی اپنے ہی خون میں لت پت تڑپ رہے تھے۔

''باہر نکلو''۔۔۔۔۔۔بلیک زیرو چیخا اور وہ تینوں گیلری میں آ گئے۔

گیلری خالی تھی۔انہوں نے پھرتی سے باقی کمرے بھی دیکھ ڈالے

لیکن سب خالی تھے۔گیلری کی دوسری سائیڈ پر ایک دروازہ تھا۔وہ تینوں اس میں داخل ہوگئے۔یہاں سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔وہ انجن روم میں پہنچ چکے تھے۔انجن روم بھی انہیں خالی ملا شائد آبدوز میں اتنی نفری نہ تھی اور وہ آدمی جو گیلری میں مارے گئے شائد وہ انجن روم میں کام کرتے تھے۔وہ تینوں دیوانہ وار مجرموں کے سربراہ کو ڈھونڈ رہے تھے۔انجن روم کی سائیڈ پر ایک کمرہ تھا۔جب وہ اس میں داخل ہوئے تو اس کا دروازہ انہیں کھلا ملا لیکن حیرت یہ تھی کہ دروازہ کھلا ہونے کے باوجود پانی اندر نہیں آرہا تھا۔عمران سمجھ گیا کہ سب رخشمار شعاعوں کا کرشمہ تھا۔یہ شعاعیں ابھی حال ہی کی ایجاد ہوئی تھیں۔ ان شعاعوں کو پیدا کرنے والا آلہ دروازے پر لگا دیا جاتا تھا۔جب دروازہ کھلتا۔تو ان شعاعوں کی وجہ سے کمرے میں ہوا کا دباؤ بڑھ جاتا اور اس دباؤ کی وجہ سے پانی کمرے میں داخل نہ ہوسکتا تھا۔جس دروازے سے وہ داخل ہوئے تھے شائد اس میں بھی یہی سسٹم لگا ہوا تھا۔بلیک زیرو نے پھرتی سے دروازہ بند کیا۔مجرم آبدوز سے فرار ہو گیا تھا۔وہ دوبارہ انجن روم میں داخل ہوئے۔وہاں اچانک ان کی نظر مشین میں لگے ہوئے بلب پر پڑی وہ تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔

”فوراً واپس چلو۔ چند لمحوں بعد آبدوز پھٹ جائے گی۔“ ——— بلیک زیرو نے چیخ کر کہا۔

”تو کیا ہم اس مشین کو توڑ کر آبدوز کو نہیں بچا سکتے“ ——— کیپٹن

شکیل نے کہا۔

''ہرگز نہیں۔اب وقت گزر چکا ہے۔''——عمران نے جلدی سے کہا۔

پھر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے گیلری میں آئے۔گیلری سے ہوتے ہوئے وہ اس کمرے میں پہنچے انہوں نے تیزی سے غوطہ خوری کے لباس پہنے اور پھر دروازہ کھول کر آبدوز سے باہر سمندر میں آگئے۔وہ تینوں تیزی سے تیر رہے تھے۔وہ آبدوز سے زیادہ سے زیادہ دور ہونا چاہتے تھے۔جب وہ کافی دور آگئے تو اچانک سمندر میں ایک شعلہ سا لپکا۔ بے پناہ لہریں پیدا ہوئیں اور اس گھونگھا نما آبدوز کے ٹکڑے اُڑ گئے۔اب وہ سطح کے قریب پہنچ چکے تھے۔لہروں نے چند منٹ کے لئے انہیں سمندر میں خوب اچھالا لیکن پھر وہ سطح سمندر پر پہنچ گئے۔

جیسے ہی وہ سطح سمندر پر پہنچے انہیں کچھ لانچیں نظر آئیں وہ تیزی سے ان لانچوں کی طرف بڑھے۔یہ لانچیں تعداد میں چار تھیں۔جب وہ ان لانچوں کے نزدیک پہنچے تو انہیں نیول کمانڈر لطیف الرحمٰن ایک لانچ میں کھڑا نظر آیا۔وہ دوسری لانچ پر چڑھ گئے اور سیدھے کیبن میں گئے تاکہ غوطہ خوری کے لباس اتار سکیں۔ انہوں نے لباس اتارے۔بلیک زیرو نے دوبارہ نقاب منہ پر لگا لیا تھا۔وہ نیول کمانڈر کے سامنے بغیر نقاب کے نہیں جانا چاہتا تھا۔وہ باہر نکلے ۔نیول کمانڈر اتنے میں ان کی لانچ پر آچکا تھا۔وہ سیدھا بلیک زیرو کی طرف بڑھا

کیونکہ وہ نقاب کی وجہ سے سمجھ گیا تھا کہ یہی ایکسٹو ہوگا۔

''کوئی اور غوطہ خور تو ادھر نہیں آیا۔'' ——— بلیک زیرو نے اس سے پوچھا۔

''نو سر۔'' ——— اس نے جواب دیا۔

''ہیلی کاپٹر منگوائیں۔ مجرم غوطہ خوری کا لباس پہن کر فرار ہوگیا ہے۔ وہ سمندر میں کہیں نہ کہیں ضرور ابھرے گا۔'' ——— بلیک زیرو نے اس سے کہا۔

''یہ سمندر میں کیسا دھماکہ ہوا تھا جناب'' ——— نیول کمانڈر نے پوچھا۔

''مجرم کی آبدوز تباہ ہوئی تھی۔''

''آبدوز۔'' ——— نیول کمانڈر کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''آپ وقت ضائع نہ کریں فوراً ہیلی کاپٹر منگوائیں۔'' ——— بلیک زیرو نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور نیول کمانڈر اپنی لانچ کی طرف دوڑ پڑا۔ شائد اس کی لانچ میں مخصوص ٹرانسمیٹر فٹ تھا۔

پندرہ منٹ بعد ایک ہیلی کاپٹر ان کے سروں پر پہنچ چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر سے سیڑھی نیچے لٹکائی گئی اور پھر باری باری عمران، کیپٹن شکیل اور بلیک زیرو ہیلی کاپٹر پر چڑھ گئے۔ عمران نے بلیک زیرو سے دوربین لے لی اور نیچے سمندر کی طرف بغور دیکھنے لگا۔ ہیلی کاپٹر عمران کی ہدایت پر سمندر کے اوپر پرواز کرنے لگا۔ پھر دور سے انہیں ایک لانچ سمندر کے سینے پر تیرتی نظر آئی اور ان کا ہیلی کاپٹر اس لانچ کی طرف بڑھ

گیا۔ جب وہ اس لانچ کے قریب پہنچے تو انہیں ایک آدمی مشین گن لئے کھڑا نظر آیا۔

"ہوشیار"۔۔۔۔۔۔ عمران نے ہانک لگائی اور ہیلی کاپٹر بلندی پر ہو گیا۔

"بم مار کر لانچ کو تباہ کر دو"۔۔۔۔۔۔ بلیک زیرو نے کیپٹن شکیل کو حکم دیا اور کیپٹن شکیل نے ہیلی کاپٹر میں پڑے باکس سے ایک دستی بم اٹھا لیا۔ ہیلی کاپٹر دوبارہ لانچ کے قریب پہنچ رہا تھا۔ لیکن لانچ پر بھی مجرم مشین گن سیدھی کیے ہیلی کاپٹر کو نشانہ بنانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹر لانچ کے اوپر پہنچا۔ کیپٹن شکیل نے بم کی پن کھینچ کر جھک کر بم پھینک دیا۔ اس سے پہلے کہ اس کا جسم دوبارہ ہیلی کاپٹر کے اندر ہوتا مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ نکل کر ہیلی کاپٹر کو لگی۔ ایک گولی کیپٹن شکیل کے بازو میں گھس گئی اور کیپٹن شکیل اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور وہ لڑھک کر ہیلی کاپٹر سے باہر آ گیا اور پھر اس کا جسم تیزی سے سمندر کی طرف گرنے لگا۔ مجرم کا نشانہ بے حد ٹھیک رہا تھا۔ گولیاں ہیلی کاپٹر کے انجن پر لگ چکی تھیں اور ہیلی کاپٹر ڈوبنے لگا۔ کیپٹن شکیل کا پھینکا ہوا بم بھی لانچ کے اندر پھٹا اور پھر لانچ کے ٹکڑے سمندر میں بکھر گئے۔

"نیچے کود جاؤ"۔۔۔۔۔۔ بلیک زیرو نے تیزی سے کہا۔

اور پھر دوسرے لمحے عمران اور بلیک زیرو تیزی سے سمندر میں کود گئے۔ اس سے پہلے کہ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ نیچے کودتا ہیلی کاپٹر ایک

دھماکے سے پھٹ گیا اور اس کے ٹکڑے ہوا میں بکھر گئے۔کیپٹن شکیل سمندر میں گر کر تیرتا ہوا جلد ہی سطح پر پہنچ چکا تھا۔اس کے بازو سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔اس نے خود سے تھوڑی دور مجرم کو بھی پانی میں تیرتے ہوئے پایا۔وہ زخم کی پرواہ کئے بغیراس کی طرف لپکا اور بے پناہ قوت ارادی کے سبب وہ جلد ہی مجرم کے قریب پہنچ گیا۔بلیک زیرو اور عمران بھی سمندر میں گر کر سطح پر ابھر آئے تھے اور پھر وہ دونوں بھی تیزی سے ان کی طرف تیرنے لگے۔لیکن عمران بازوؤں کی تکلیف کی وجہ سے زیادہ تیز نہیں تیر سکتا تھا۔چنانچہ بلیک زیرو اس سے آگے نکل گیا۔کیپٹن شکیل جیسے ہی مجرم کے نزدیک پہنچا۔مجرم سمندر میں غوطہ لگا گیا۔کیپٹن شکیل نے بھی اس کے پیچھے غوطہ لگایا۔لیکن اب مجرم کے ہاتھوں میں ایک پتلا سا خنجر چمک رہا تھا۔کیپٹن شکیل پھرتی سے اس طرف لپکا۔مجرم نے کیپٹن شکیل پر خنجر کا وار کیا۔کیپٹن شکیل ذرا سا نیچے ہوگیا لیکن پھر بھی خنجر اسکے بازو کو چیرتا چلا گیا۔درد کی شدید لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔کیپٹن شکیل کے دونوں بازو زخمی ہوگئے تھے۔لیکن اب اس کی آنکھوں میں وحشت چھا گئی تھی۔وہ پھرتی سے پلٹا اور مجرم کی ٹانگ اس کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی۔مجرم تیزی سے سطح سمندر کی طرف ابھر گیا۔لیکن اب عمران اور بلیک زیرو وہاں پہنچ چکے تھے۔مجرم نے بلیک زیرو پر خنجر کا وار کیا لیکن بلیک زیرو نے تیزی سے اپنا رخ تبدیل کرلیا۔اس سے پہلے کہ وہ مڑتا عمران نے مجرم کا بازو پکڑ لیا لیکن پھر اس کی آنکھوں کے گرد تارے ناچ گئے اس کے جبڑے پر پڑنے

والا مکا انتہائی زوردار تھا۔اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ مجرم دوبارہ غوطہ لگا گیا۔لیکن نیچے کیپٹن شکیل نے اسے جکڑ لیا۔پھر اس سے پہلے کہ مجرم اس کے سینے میں خنجر پیوست کرتا بلیک زیرو کی لات مجرم کے سینے پر پڑی اور تکلیف کی شدت سے خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ پھر کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے مجرم نے کیپٹن شکیل کی گردن دونوں ہاتھوں میں جکڑ لی۔مجرم کے بازوؤں میں بے پناہ طاقت تھی۔کیپٹن شکیل کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے کنگن چلانے کے لئے اپنا بازو لہرایا لیکن اس سے پہلے کہ اس کے کنگن کا وار مجرم پر پڑتا۔ مجرم کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔عمران کا زوردار مکا مجرم کی کنپٹی پر پڑا تھا اور عین اسی لمحے بلیک زیرو کی لات بھی اس کے سینے پر لگی تھی۔اس کے منہ سے خون بہنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔تینوں نے اسے سنبھالا اور سطح سمندر پر لے آئے۔ سطح سمندر پر انہیں تین سرکاری لانچیں اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئیں۔شائد وہ ہیلی کاپٹر کو تباہ ہوتا دیکھ کر ادھر آئے تھے۔سب سے پہلے نیول کمانڈر کی لانچ ان کے نزدیک پہنچی اور وہ مجرم کو لئے ہوئے اس لانچ پر سوار ہو گئے۔

دانش منزل کے ہال میں سیکرٹ سروس کے تمام ممبران موجود تھے۔ان میں تنویر بھی تھا اب وہ قدرے صحت مند ہو چکا تھا۔ لیکن کمزوری باقی تھی۔تھوڑی دیر بعد ٹرانسمیٹر کا بلب جل اٹھا اور جولیا جو ٹرانسمیٹر کے پاس بیٹھی تھی اس نے تیزی سے بٹن دبا دیا۔ٹرانسمیٹر سے ایکسٹو کی آواز ابھری۔

''ہیلو جولیا۔''

ایکسٹو نے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یس سر۔''

جولیا نے جواب دیا۔

''کیا تمام ممبران موجود ہیں''

''یس سر۔''

''او کے۔آپ لوگ کیس کی تفصیلات جاننے کے لئے بے تاب ہو

رہے ہیں۔اس کیس کو حل کرنے کے لئے ہم سب کو بے پناہ کام کرنا پڑا ہے۔تنویر تو اس کیس میں مرتے مرتے بچا۔ بہر حال میری طرف سے اسے نئی زندگی مبارک ہو۔

یہ کیس دراصل بہت الجھا ہوا تھا مجرموں کی تنظیم کا نام ”سابولیٹ آگر“ تھا۔سابولیٹ آگر ہسپانوی زبان میں گھونگے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ان مجرموں کا سربراہ ایک ہسپانوی تھا اور دوسرا ان کی آبدوز گھونگے کی شکل کی تھی اس لئے انہوں نے اپنی تنظیم کا نام سابولیٹ آگر رکھا ہوا تھا۔ان کا ہیڈکوارٹر دراصل یورپی ملک میں ہے۔ہمارے ملک میں ان کی آمد کا مقصد بہت خطرناک تھا۔آپ لوگوں کو شائد معلوم نہیں کہ ہمارا ملک ایک دوست ملک کی مدد سے ہائیڈروجن بم بنا رہا ہے۔ جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔اس منصوبے کی تمام تفصیلات اور اس دوست ملک کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی اصل کاپی اس فائل میں موجود تھی۔جسے مجرم نے اڑانے کے لئے نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے بازار میں بے تحاشا فائرنگ کی تاکہ ملک میں سنسنی پھیل جائے پھر انہوں نے ایک بنک لوٹنے کی کوشش کی یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ سیکرٹ سروس اور سی آئی ڈی کی توجہ اس طرف ہو جائے کہ یہ مجرم دراصل بنک لوٹنے والے ہیں۔چنانچہ یہی ہوا ہم سب کی توجہ بنکوں کی طرف ہوگئی۔

اور وہ اس دوران فائل لے اڑے۔ مجرموں کا منصوبہ یہ تھا کہ تفصیلات حاصل کر کے اس فیکٹری کو اُڑا دیا جائے۔جہاں ہائیڈروجن

بم تیار ہو رہا ہے۔ دوسرا اس معاہدے کی تفصیلات اس ملک کو بھیج دی جائے جس نے ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ وہ ملک نہیں چاہتا تھا کہ ہمارا اس دوست ملک سے کوئی تعلق رہے۔ دوست ملک براہ راست سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس معاہدے کی تفصیلات شائع ہو جانے سے وہ دوست ملک ہماری مدد کرنے سے انکار کر دیتا اور اس سے کئی بین الاقوامی پیچیدگیاں پڑ جاتیں جو ہمارے ملک کی خارجہ پالیسی کے لئے بے انتہا خطرناک ہوتیں۔

فائل کے چوری ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ مجرم فیکٹری کو تباہ کریں گے۔ چنانچہ فیکٹری میں خصوصی انتظامات کر دیئے گئے۔ مگر مجرم میرے چکر میں پڑ گئے۔ انہوں نے سوچا فیکٹری کو تباہ کرنے سے پہلے ایکسٹو اور اس کی ٹیم کو ختم نہ کیا گیا تو فیکٹری تباہ کرنے میں انہیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس دوران انہوں نے تنویر کو ہوٹل میں زخمی کر دیا اور صفدر کو لے اڑے۔ سپرنٹنڈنٹ فیاض چونکہ عمران کے فلیٹ آتا جاتا تھا اس لئے انہوں نے سپرنٹنڈنٹ فیاض کو بھی اغوا کر لیا۔

انہوں نے سوچا عمران یا تو خود ایکسٹو ہے یا ایکسٹو کو جانتا ہے۔ اس لئے وہ عمران کے پاس گئے اور پھر اتفاق سے عمران، کیپٹن شکیل، جوزف اور صدیقی روپا کی وجہ سے خود ان تک پہنچ گئے۔

اب میں نے جولیا کو چارہ بنا کر آگے کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ جولیا عمران کی ساتھی ہے۔ روپا نے جولیا کو بھی ہیڈ کوارٹر بھیج دیا۔ میں جولیا

کا تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچا۔وہاں سے بھی مجرم نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔کیپٹن شکیل نے وہاں جس پھرتی سمجھ بوجھ اور دلیری کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ تعریف ہے۔ وہاں سے بھاگ کر مجرم اپنی آبدوز میں پہنچے ہم ان کے تعاقب میں وہاں جا پہنچے اور پھر کافی جدو جہد کے بعد ان کے سربراہ کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے سینے سے بندھے ہوئے واٹر پروف بیگ میں سے وہ فائل بھی برآمد ہو گئی اور اس کی نشاندہی پر اس کے باقی ساتھی بھی پکڑے گئے ورروپا اور اس کے غنڈے بھی فیاض نے گرفتار کر لئے اور اس طرح فیکٹری تباہ ہونے کی نوبت ہی نہ آئی اور کیس ختم ہو گیا۔"

"کوئی سوال؟"______ایکسٹو نے پوچھا۔

"سر۔آپ نے مقامی ہیڈ کوارٹر سے سمندر تک ان کا پیچھا کیسے کیا جبکہ ہم سے پہلے ان کی کار جا چکی تھی۔"______کیپٹن شکیل نے سوال کیا۔

"یہ ایک جدید طریقہ تعاقب کا نتیجہ تھا جس کی تفصیلات عمران تمہیں بتا دے گا۔اور کوئی سوال؟"______ایکسٹو کی آواز آئی۔

سب خاموش رہے۔

"او کے۔ اوور اینڈ آل۔"______ایکسٹو کی آواز آنی بند ہو گئی۔ اور جولیا نے آگے بڑھ کر ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔ اب سب لوگ عمران کے گرد ہو گئے اور عمران انہیں اس ڈبے کے متعلق بتانے لگا جس کی وجہ سے انہوں نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا تھا۔

''یہ تو جادو کا ڈبہ ہو گیا۔''—— صفدر نے حیرت سے کہا۔

''بالکل۔ اور یہ اس سامری جادوگر کی ایجاد ہے۔''—— عمران نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ایک زور دار قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

ختم شد